ماہنامہ

تعلیم و تربیت

لاہور

پاکستان میں بچوں کا سب سے زیادہ چھپنے والا رسالہ

eboko

Scanned by CamScanner

دوسرا شمارہ

ماہنامہ

تعلیم وتربیت

لاہور

مئی

1982

مدیرِ اعلیٰ :
عبدالسلام خاں

قیمت سالانہ : 33.00
رجسٹری سمیت : 53.00
ایک پرچہ : 3.00
سالانہ قیمت بذریعہ منی آرڈر ارسال فرمائیں

پتا : تعلیم وتربیت
65۔ شارع قائدِ اعظم، لاہور

مطبوعہ فیروز سنز لمیٹڈ لاہور۔ باہتمام عبدالسلام خاں پرنٹر اور پبلشر

Scanned by CamScanner

فہرست

پہلے یہ پڑھیے!		4
ہمارے نبی ﷺ نے فرمایا!		5
خدا کی تعریف (حمد)	سرور بجنوری	6
وفادار کتّے	نظیر لدھیانوی	7
سخاوت کی عجیب مثال (تاریخی واقعہ)	مقبول انور داؤدی	14
مُرغی کا چوزہ (چینی کہانی)	آفتاب امین چشتی	15
اقبال کے نقشِ قدم پر (کہانی)	فیضی	25
اچھے اچھے کام کریں گے (نظم)	موسیٰ نظامی کلیم	32
گل دستہ (کہانی)	سیّد خرم شبّیر	33
بابا خیرو (کہانی)	ناصر رضوی	37
چھوٹا بھائی (کہانی)	زیب النساء علیم	43
وہ کون تھا؟ (کہانی)	رانا آفتاب عالم خاں	49
ہمارا کیا قصور؟ (کہانی)	فہیم احمد فہیم	53
مستری بشارت (نظم)	تاج الدین طیش	56
وہ آئی ہنسی!	-	57
مجھے اب تک یاد ہے۔	اسما مسعود، عفت زہرا خاور	59
دِل چسپ اور عجیب	-	63
آپ بھی پُوچھیے	-	65
ہونہار ادیب	-	67
آپ کی رائے	-	77
سالنامہ آپ کی نظر میں	-	79

Scanned by CamScanner

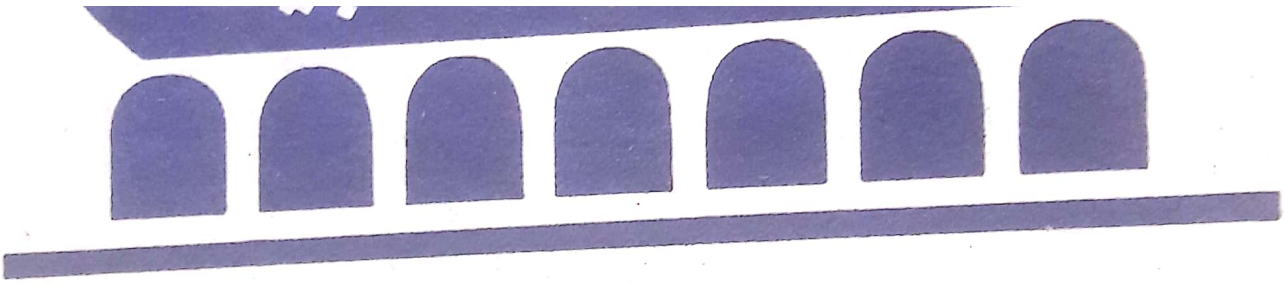

پاکستان معاشی ترقی اور خوشحالی کے دور میں داخل ہو چکا ہے۔ اسلامی نظام معیشت کے نفاذ سے قوم میں اب ایک نیا جذبہ پیدا ہو گیا ہے۔ حبیب بینک بھی پورے اعتماد کے ساتھ ملک کے درخشاں مستقبل کے لئے کوشاں ہے۔

نفع و نقصان شراکتی نظام کو عوام میں بڑی پسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا ہے۔ یہ نظام اُن کو سودی لین دین سے نجات دلاتا ہے اور برابری کی بنیاد پر جدید بینکاری کی سہولتوں سے مستفید ہونے کے بہترین مواقع فراہم کرتا ہے۔ یہ شریعت کے عین مطابق ہے۔

حبیب بینک گذشتہ چالیس سال سے قوم کے اقتصادی تقاضوں اور امنگوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے بینکاری کی خدمت کر رہا ہے اور اس طرح بہتر سے بہتر خدمت انجام دینا اس کا شعار بن چکا ہے۔

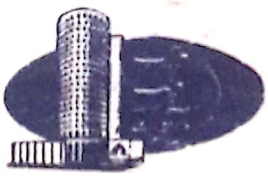

حبیب بینک لمیٹڈ

Scanned by CamScanner

پہلے یہ پڑھیے!

عزیز بچّو! آپ سب نے ہمارے سالنامے "کہانی نمبر" کو جس طرح پسند کیا ہے، اس سے ہمیں بہت خوشی حاصل ہوئی ہے "کہانی نمبر" کی پسند کے سلسلے میں ہمیں اب تک آپ کے بے شمار خط مل چکے ہیں اور ابھی تک برابر مل رہے ہیں۔

ہمارے سالنامے میں بچّوں کی زیادہ تعداد نے چڑیا گھر کی رنگا رنگ تصویروں کو خاص طور پر پسند کیا ہے۔ ان تصویروں کے ساتھ اشعار تھے، بعض بچّوں کو وہ بھی خاص طور پر پسند آئے۔ اس سب پسندیدگی کے لیے آپ سب کا شکریہ۔

آپ یقین کیجیے کہ ہم تو آپ کے اس سالنامے کو اس سے بہت زیادہ بہتر بنانا چاہتے تھے اور اس میں عمدہ عمدہ اور کہانیاں بھی شامل کرنا چاہتے تھے، لیکن صفحوں نے تعداد نے ہمارا راستہ روک دیا اور بہت سی کہانیاں کتابت ہو چکنے کے باوجود سالنامے میں شامل نہ ہو سکیں۔ بہر حال وہ سب کہانیاں ہم آئندہ شماروں میں آپ کے سامنے لا رہے ہیں۔ جن میں سے کچھ تو اسی شمارے میں موجود ہیں۔

اس شمارے سے عام شماروں کی باقی سب دلچسپیاں پھر لوٹ آئی ہیں۔ مثلاً لطیفے، دل چسپ اور عجیب، مجھے اب تک یاد ہے، نظمیں وغیرہ۔ ہمیشہ کی طرح ہماری اب بھی یہ خواہش ہے اور آئندہ بھی رہے گی کہ آپ کے محبوب اور پیارے "تعلیم و تربیت" کو بہتر سے بہتر طور پر آپ کے سامنے لایا جائے۔ اس سلسلے میں ہم ابھی اور بہت کچھ سوچ رہے ہیں۔

Scanned by CamScanner

ہمارے نبیؐ نے فرمایا!

★ جو شخص دوسروں پر رحم نہیں کرتا، اُس پر رحم نہیں کیا جاتا۔

★ کوئی شخص عمدہ لباس پہن کر اترا کر چل رہا تھا اور اسے یہ بات بہت اچھی لگتی تھی۔ اس کو زمین میں دھنسا دیا گیا۔ سو وہ قیامت کے روز تک دھنستا چلا جائے گا۔

★ تم میں سے کسی کو جماہی آئے تو وہ اُسے روک دے، جہاں تک ہو سکے۔ کیوں کہ تم میں سے جب کوئی جماہی لیتا ہے، شیطان اس پر ہنستا ہے۔

★ جب تم میں سے کوئی جماہی لے تو اسے اپنے منہ پر اپنا ہاتھ رکھ لینا چاہیے کیوں کہ شیطان اس میں داخل ہو جاتا ہے۔

★ جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو اسے "الحمدُ للہ" کہنا چاہیے اور اس کے بھائی یا ساتھی کو "یرحمک اللہ" کہنا چاہیے۔ پھر جب وہ اس کے لیے "یرحمک اللہ" کہے تو اسے کہنا چاہیے "اللہ تمھیں ہدایت دے اور تمھارا حال بہتر کرے۔

★ تم میں سے کوئی زمانے کو گالی نہ دے کیوں کہ اللہ خود زمانہ ہے۔

★ بکثرت کی باتیں کرنے والے ہلاک ہو گئے۔

★ بے شک بعض دفعہ بندہ اللہ کی خوشنودی کی کوئی ایسی بات کہہ دیتا ہے جس کی طرف وہ دھیان بھی نہیں دیتا اور اللہ اس کی وجہ سے اُس کے درجے بلند کر دیتا ہے۔ اسی طرح بعض دفعہ بندہ اللہ کی ناراضی کی کوئی بات کہہ دیتا ہے جس کی طرف وہ دھیان بھی نہیں دیتا اور اسی کے باعث وہ دوزخ میں جا گرے گا۔

Scanned by CamScanner

سرور بجنوری

خُدا کی تعریف

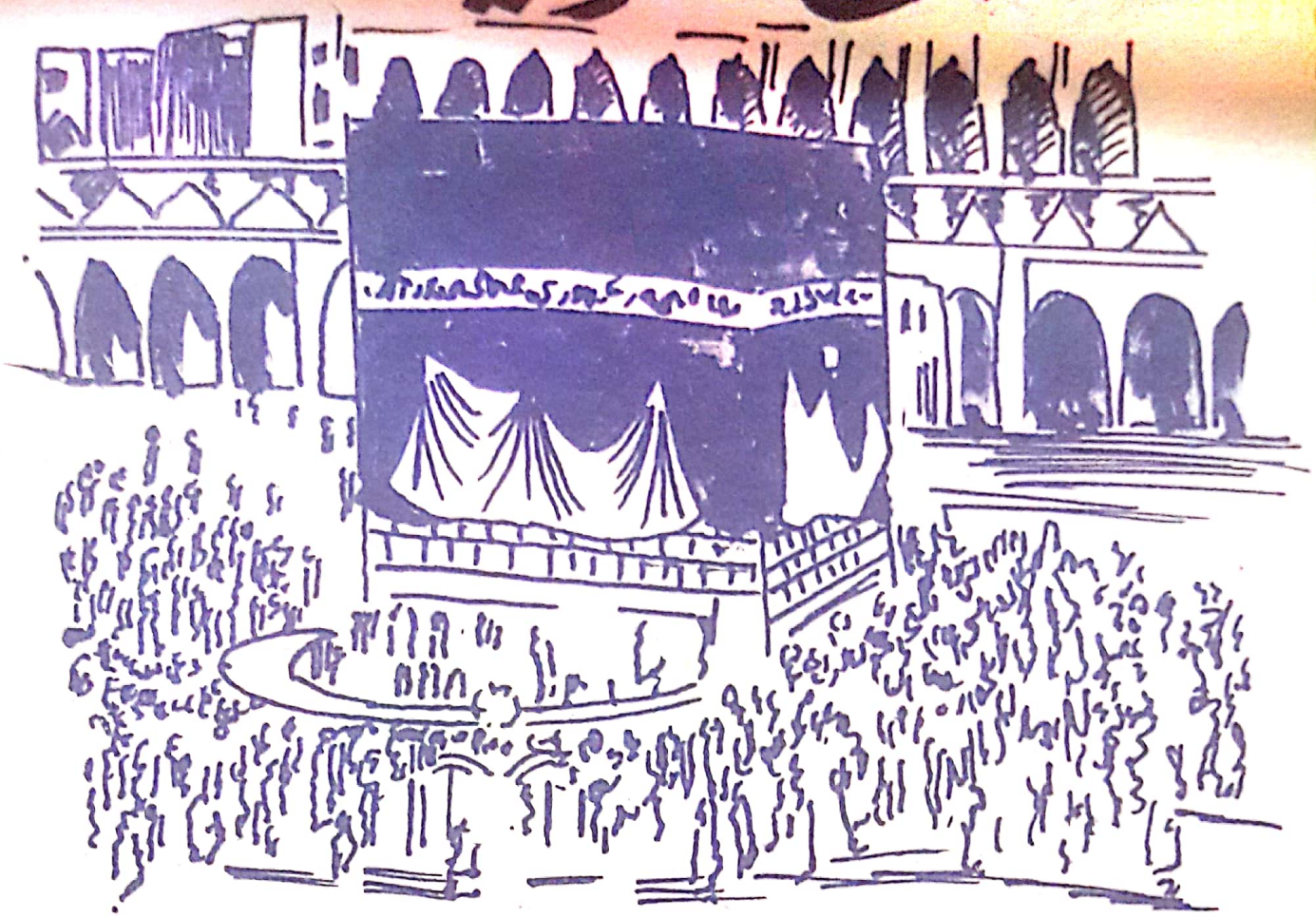

شان یارب! تری نرالی ہے
مرتبہ تیرا سب سے عالی ہے

تو ہی باغِ جہاں کا والی ہے
داغ بیل اس کی تو نے ڈالی ہے

اور کوئی ترا شریک نہیں
تو ہی دونوں جہاں کا والی ہے

جس نے دِل سے تری عبادت کی
اُس نے اپنی مُراد پالی ہے

تیرا جلوہ کہاں نہیں موجود
کون سی چیز اس سے خالی ہے

باغ میں تیری قُدرتوں کے گواہ
پتّا پتّا ہے، ڈالی ڈالی ہے

غم نہیں ہے سرُور کو کوئی
اس نے اب تجھ سے لو لگالی ہے

Scanned by CamScanner

وفادار کُتّے

نظیر لودھیانوی

ایک چرواہا ایک بہت اُونچے پہاڑ کے دامن میں بھیڑ بکریاں چرایا کرتا تھا۔ ایک دن اس نے پہاڑ کی وادی میں کچھ دُور بہت شور و غل سُنا۔ جو کُتّے کے بھونکنے کی آواز تھی۔ چرواہا بہت حیران ہوا کہ اس دشوار گزار وادی میں کبھی کسی انسان کا گزر نہیں ہوا۔ ایک خوف ناک سنّاٹا چھایا ہوا ہے۔ وادی کے دونوں جانب اُونچے اُونچے پہاڑ ہیں۔ چرواہے نے خیال کیا کہ یا تو یہ کوئی لومڑی چیختی ہے یا کوئی کتّا بھونکتا ہے۔ جس کی گونج دُور دُور تک سُنائی دیتی ہے۔

اس نے چاروں طرف نظر دوڑائی اور چند قدم آگے جا کر دیکھا تو اُسے گھنی جھاڑیوں کے پتّوں میں ایک کتّا نظر آیا۔ جو اس علاقے کے کتّوں سے الگ نسل کا

معلوم ہوتا ہے۔ ذرا سا کھڑکا ہو تو وہ چونک کر بھونکنے لگتا۔ اس کی آواز بھی کسی قدر دردناک تھی۔ اس کے آگے پیچھے اور دُور دُور کہیں کوئی آدمی نہ تھا۔ چرواہا بہت حیران ہوا کہ یہ کتا اس ویرانے میں کیا کرتا ہے۔ اس نے آگے بڑھ کر دیکھا۔ وہاں ایک لمبا چوڑا غار تھا۔ جس میں سخت سردی کے باعث پانی جم گیا تھا۔ اس کے نیچے ایک جھیل تھی اور اُوپر اونچا پہاڑ۔ پہاڑ کے بیچوں بیچ یہ خطرناک غار تھا۔ کبھی کوئی بڑی مچھلی جھیل میں غوطہ لگاتی تو پانی میں بڑی بڑی لہریں پیدا ہوتیں۔ کبھی گھنگھور گھٹا چھا جاتی تو وادی کا منظر اور بھی ہولناک ہو جاتا۔

چرواہا ٹیلوں کو طے کرتا ہوا اور آگے بڑھا اور اس چٹان پر چڑھ گیا جس پر کھڑا یہ کتا بھونک رہا تھا۔ چند قدم اور آگے بڑھا تو اسے ایک آدمی کا لاشہ نظر آیا۔ جس کا گوشت اور پوست گل چکا تھا۔ اب وہ صرف ہڈیوں کا ڈھانچا تھا۔ چرواہا سوچنے لگا کہ یہ بدنصیب شخص یہاں کیسے پہنچا اور یہ کون تھا۔ سامنے ایک پُرخطر چٹان تھی۔ چرواہا سمجھ گیا کہ وہ چٹان سے پھسل کر گرا اور مر گیا۔

یک بیک اسے یاد آیا کہ تین ماہ پہلے یہ کتا اور ایک آدمی پہاڑ کے دامن سے گزر رہے تھے۔ مجھے اس روز بھی حیرانی ہوئی تھی کہ یہ شخص اس ویران اور خوفناک وادی کی طرف کیوں جا رہا ہے۔ یہ یہاں گر کر مر گیا اور کتا سمجھتا ہے کہ میرا مالک سو رہا ہے اور وہ اس کی رکھوالی کر رہا ہے۔ ہوا سے پتا بھی کھڑکتا ہے۔ تو وہ بھونکنے لگتا ہے۔

اس ویران درّے میں رہتے ہوئے اسے تین مہینے ہو گئے تھے اور دم بھر کے لیے وہ اِدھر اُدھر کہیں نہیں گیا۔ اس نے مالک کے لاشے کو تنہا چھوڑنا گوارا نہیں کیا۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ اس لیے اس بیاباں میں اتنی مدّت کیا کھا کر گزارا کیا۔ اصحاب کہف کے کتے کی طرح یہ کتا بھی کتنا باوفا تھا۔ اس کتے کو بھی کھانے کو وہی خُدا دیتا ہوگا۔ جس نے کتے کو مالک کا وفادار بنایا ہے۔ مالک سے اتنی وفاداری تو شاید آدمی سے بھی ممکن نہیں ہے۔

Scanned by CamScanner

گتا صرف مالک ہی کا وفادار نہیں ہوتا بلکہ جس سے دوستی ہو جائے اس سے بھی وفاداری کرتا ہے۔ دوست کی ذرا سی آہٹ بھی دُور ہی سے سُن کر استقبال کے لیے کھڑا ہو جاتا ہے۔

میں جن دنوں روزنامہ "امروز" میں ایڈیٹر تھا وہاں دفتر میں میری ڈیوٹی رات کی تھی۔ ہم رات کو ڈیڑھ دو بجے فارغ ہوتے تھے۔ نسبت روڈ کے چوک میں چیمبرلین روڈ کے مشرقی جانب کھیر والے کی دکان کے آگے فٹ پاتھ پر ہر رات تین کُتے بیٹھے ہوتے تھے۔

اس سڑک پر آدھی رات کے سناٹے میں ان تین کتوں کے سوا دُور دُور تک اور کوئی نہ ہوتا۔ جونہی میں بھارت بلڈنگ کی حد سے نکل کر نسبت روڈ پر قدم رکھتا تو میری آہٹ ہوتے ہی سامنے کونے کی دکان کے آگے تین کتوں میں سے ایک فوراً کھڑا ہو جاتا۔ میں سڑک عبور کر کے ان کے قریب پہنچتا تو وہ کتا جو میری آہٹ سنتے ہی کھڑا ہو جاتا تھا، میرے ساتھ ساتھ چلتا۔ کبھی دو قدم آگے چلتا کبھی دو قدم پیچھے رہتا۔ میں چیمبرلین روڈ پر چلتے ہوئے تھوڑی دُور جا کر اپنی گلی میں مڑ جایا کرتا تھا۔ میرا ساتھی کتا گلی کے سرے پر پہنچ کر کھڑا ہو جاتا۔ جب میں اس گلی میں مُڑ جاتا تو کتا

Scanned by CamScanner

واپس چلا جاتا۔
اس گلی میں ایک اور کتا تھا جو صابن والوں کا تھا۔ رات کو وہ ان کے مکان کے سامنے سڑک کے بیچوں بیچ بیٹھتا تھا۔ اسی گلی کا کوئی شخص گزرے تو یہ خاموش رہتا جیسے اس نے اسے دیکھا ہی نہیں۔ کسی اور محلے کا کوئی شخص گزرتا تو یہ غراتا اور بعض اوقات اس پہ بھونکتا۔
میں جب اس کوچے میں مڑتا اور سامنے دیکھتا تو یہ اٹھ کر کھڑا ہو جاتا اور جب میں قریب پہنچتا تو یہ میرے ساتھ ساتھ چلتا۔ کبھی آگے، کبھی پیچھے۔ میرے گھر کے قریب پہنچ کر کھڑا ہو جاتا۔ میں جب گھر میں داخل ہو کر کنڈی لگا لیتا تو یہ کتا واپس چلا جاتا۔
اور صابن والوں کے گھر کے سامنے اپنی جگہ پہ جا بیٹھتا۔
مجھ سے ان کتوں کی دوستی سالہا سال تک جاری رہی۔ بارش ہو، سڑک پہ پانی ہو، سخت سردی ہو، یہ کتے عادت کے مطابق اپنی مقررہ جگہوں پہ ضرور موجود ہوتے تھے۔ خدا جانے کب سے یہ میرا ساتھ دے رہے تھے اور مجھے ان کے ساتھی ہونے کا کب علم ہوا۔
جنگ کے دنوں میں بلیک آؤٹ ہوتا تھا۔ میں گھپ اندھیرے میں بھارت بلڈنگ کی حد سے نکل کر نسبت روڈ پہ قدم دھرتا اور آسمان پر ستاروں کو دیکھ کر چوک کا اندازہ کر کے سامنے کو چل دیتا۔ بھارت بلڈنگ سے نکلتے ہی مجھے کتے کے غرانے کی ہلکی سی آواز آتی جس سے مجھے معلوم ہو جاتا کہ میرا ساتھی موجود ہے۔ گھپ اندھیرے میں وہ کتا میرے ساتھ میری گلی کے سرے تک جاتا۔ پھر صابن والے کے کتے کے غرانے کی ہلکی سی آواز آتی تو میں سمجھ لیتا کہ میرے ساتھی نے اتنی دور سے اندھیرے میں بھی مجھے پہچان لیا ہے۔ میں نے ان کتوں کو کبھی کچھ کھانے کو نہیں دیا نہ کبھی ان سے کوئی بات کی۔ نہ چمکارا پچکارا۔ یہ خاموش دوستی برسوں چلی اور خدا جانے کب تک چلتی کہ میں 1973ء میں ریٹائر ہو گیا۔
کھیر کی دکان کے آگے بیٹھنے والے کتے دن میں کبھی وہاں نظر نہیں آئے۔
صابن والوں کا کتا میرے گھر کے زیادہ قریب تھا۔ وہ کبھی کبھی دن کے وقت بھی اپنی

Scanned by CamScanner

اُسی جگہ پر بیٹھا نظر آتا تھا۔ میں پاس سے گزرتا تو وہ میری طرف دیکھ کر دم ہلاتا۔ یہ اُس کی علیک سلیک تھی یا مجھے بتاتا تھا کہ میں وہی تمھارا رات والا دوست ہوں۔

مجھے کتوں کے بارے میں وقتاً فوقتاً اور بھی کئی تجربات ہوئے۔ کتے کی دوستی بے غرض ہوتی ہے۔ وہ دوست کو دُور سے پہچان کر خوشی کا اظہار کرتا ہے۔ خوشی کا اظہار اس کے دُم ہلانے سے اور بعض اوقات اچھلنے کُودنے سے ہوتا ہے دوست کافی عرصے کے بعد بھی ملے تو وہ پہچان لیتا ہے اور دُم ہلاتا ہے۔

میرے خُسر پھلوں کا کاروبار کرتے تھے۔ پھل دار باغات ٹھیکے پر لیتے تھے۔ پھل پکنے پر انھیں توڑ لیتے اور منڈی میں فروخت کرتے۔ ایک باغ انھوں نے بیس سال کے ٹھیکے پر لیا ہوا تھا۔ اس میں کوئی ایک کنال زمین میں بیری کے درخت تھے۔

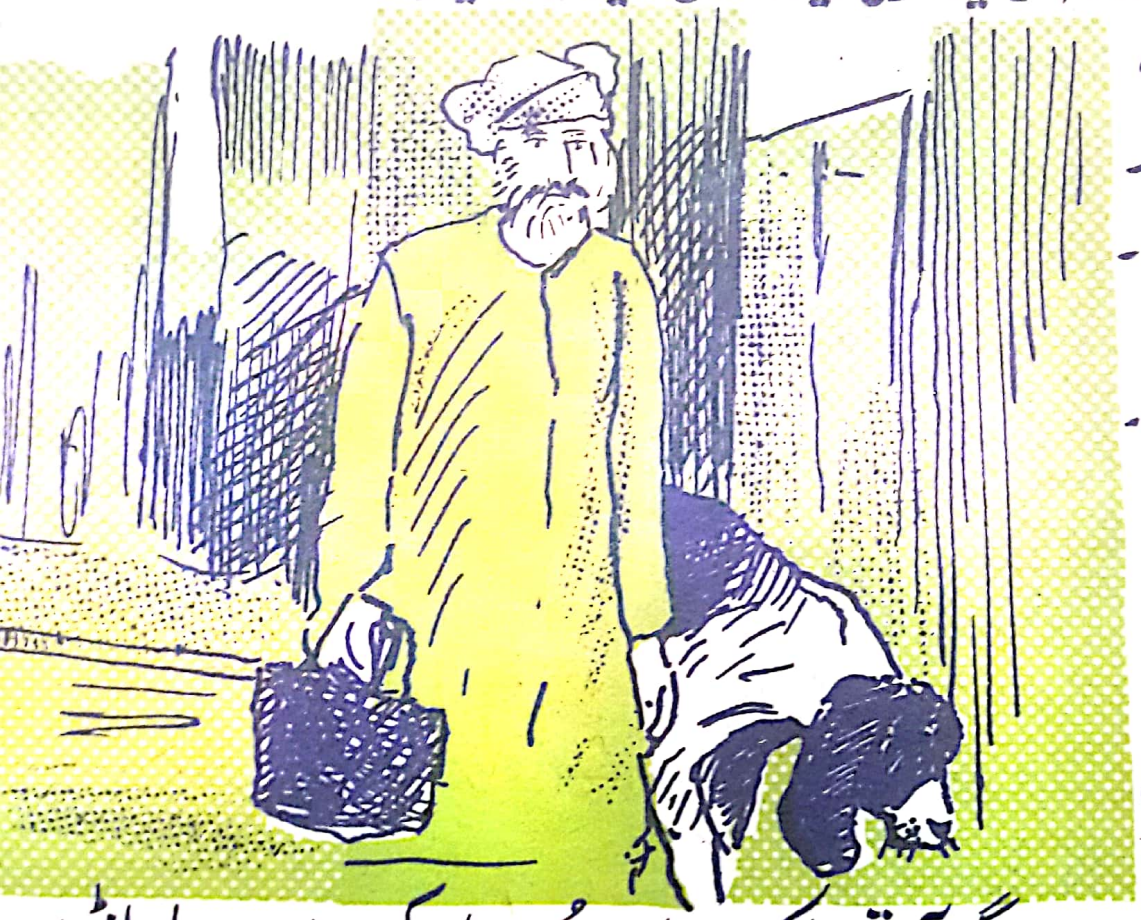

چند درخت آم کے، چند جامن کے اور چند شہتوت کے بھی تھے۔ انھوں نے چھ سات کتے رکھے ہوئے تھے۔ باغ میں ایک بھینس، ایک گائے ایک دو بکریاں، دو تین دُنبے، کبوتر اور کچھ مرغیاں وغیرہ بھی تھیں۔

وہ ہر روز صبح میرے گھر آتے۔ ایک دو سیر دُودھ اور کسی دن دو چار انڈے اور کسی روز خالص شہد کی بوتل لاتے۔ اس باغ میں شہد کی مکھیوں کے چھتے بھی تھے۔ ان کے ساتھ ایک کتا بھی ہوتا تھا۔ یہ کتا کسی انگریز کا تھا وہ واپس ولایت جاتے ہوئے کتا اپنے خانساماں کو دے گیا۔ اس نے یہ کتا میرے خُسر کے پاس فروخت

Scanned by CamScanner

کر دیا۔ کتا بہت بوڑھا ہو گیا تھا۔ نام وکٹر تھا۔ وکٹر اگرچہ بوڑھا تھا مگر آواز میں سب کتوں سے زیادہ گرج تھی۔ وکٹر ہر صبح میرے خسر کے ساتھ میرے گھر میں آتا تو ہمارے صحن میں داخل ہوتے ہی کھڑا ہو جاتا اور ہم سب کی طرف دیکھ کر دم ہلاتا۔ پھر میرے خسر کہتے، وکٹر بیٹھ جاؤ۔ وہ وہیں بیٹھ جاتا۔ میرے خسر چائے پیتے۔ پھر وکٹر کے پیالے میں اسے بھی پلاتے۔ جب واپس جانے لگتے تو کہتے چلو وکٹر! وہ فوراً کھڑا ہو جاتا اور دروازے سے باہر نکل کر سڑک پر کھڑا رہتا۔ جب بڑے میاں بچوں سے مل کر باہر نکلتے تو وکٹر ان کے پیچھے پیچھے روانہ ہو جاتا۔ اس معمول میں اس نے کبھی کوتاہی نہیں کی۔ میرے خسر گرمی کے موسم میں تو رات کو بھی باغ میں سوتے تھے۔ لیکن سردی کے موسم میں رات کو گھر آ جاتے تھے اور باغ کی رکھوالی کتوں کے سپرد ہوتی۔ جہاں بھینس، گائے، بکریاں، کبوتر اور مرغیاں بھی تھیں لیکن کبھی کوئی نقصان نہیں ہوا۔

صبح سویرے میرے خسر باغ میں جاتے تو یہ کتے ان کے آگے پیچھے اچھلتے کودتے۔ وہ انھیں گائے کا گوشت اُبال کر نمک مرچ لگا کر کھلاتے تھے۔ سب کتے موٹے اور تندرست تھے۔ دن کو بندھے رہتے تھے، شام کو کھول دیے جاتے اور رات بھر کھلے رہتے۔ اس معمول سے انھوں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ ہمارا کام رات کو جاگنا اور رکھوالی کرنا ہے اور لیس دن سونے کے لیے ہے۔

مجھے شکاری کتوں کے مطالعے کے بھی موقعے ملے۔ یہ کتے خرگوش وغیرہ کے شکار میں استعمال کیے جاتے ہیں۔ ان کی ٹانگیں لمبی ہوتی ہیں۔ انھیں تازی کتے کہا جاتا ہے۔ عربی میں کلاب الصید کہلاتے ہیں۔

بعض کتے پانی کے تیراک ہوتے ہیں۔ شکاری بندوق سے مرغابیاں وغیرہ شکار کرتے ہیں تو یہ فوراً پانی میں کود کر شکار کو منھ میں پکڑ کر لے آتے ہیں اور شکاری کے آگے ڈال دیتے ہیں۔

اسلام میں کتے کو ناپاک قرار دیا گیا ہے۔ لیکن شکار اور رکھوالی کے لیے کتا رکھنے کی اجازت ہے۔

Scanned by CamScanner

Jogger of the year

Servis THE TREND SETTERS

NOW OFFER YOU

The Active Jogger

The revolutionary P. U. Jogger with inherent characteristics of lightness and comfort.

available in all sizes at Servis Stores throughout Pakistan.

Servis

STEP INTO ELEGANCE
STEP INTO COMFORT

Scanned by CamScanner

حضرت ابو مُرشد ایک مشہور سخی گزرے ہیں۔ جن کے دروازے سے کوئی سوالی خالی نہیں جاتا تھا۔ اس سخاوت کے باعث وہ اکثر تنگ ہی رہتے پھر بھی وہ کسی کا سوال ردّ نہ کرتے تھے۔

ایک ایسا واقعہ بھی آیا کہ ان کے پاس کچھ نہ تھا کہ ایک شخص آیا اور اُن کی تعریف میں کچھ اشعار پڑھے۔ ابُو مرشد نے فرمایا:

بھائی اس وقت میرے پاس تمھیں دینے کے لیے کچھ نہیں ہے۔ میری بات مانو اور قاضی کی عدالت میں جاکر میرے خلاف دس ہزار درہم کی وصولی کا دعویٰ کر دو۔ میں عدالت میں تمھارے دعوے کو مان لوں گا جس کے باعث میرے خلاف ڈگری ہو جائے گی۔ لیکن میرے پاس رقم کہاں جو میں ادا کر سکوں گا۔ اس پر قاضی مجھے جیل خانے بھجوا دے گا۔

میرے عزیز اور گھر والے جو اگرچہ کافی روپے پیسے والے ہیں۔ لیکن میری سخاوت سے خفا ہیں۔ اس کے باوجود جب انھیں پتا چلے گا کہ میں جیل میں ہوں تو وہ رقم ادا کر کے مجھے رہا کرا کے لے جائیں گے۔

سائل نے ابُو مرشد کے کہنے پر عمل کیا۔ قاضی نے رقم کی عدم ادائیگی کے جُرم میں قید کر دیا۔ شام تک ابُو مرشد کے وارث رقم ادا کر کے ابو مُرشد کو رہا کرا کے لے گئے اور اس طرح سائل کو روپیہ مل گیا۔

Scanned by CamScanner

چینی کہانی

مُرغی کا چُوزہ

آفتاب امین چشتی
(اِسلام آباد)

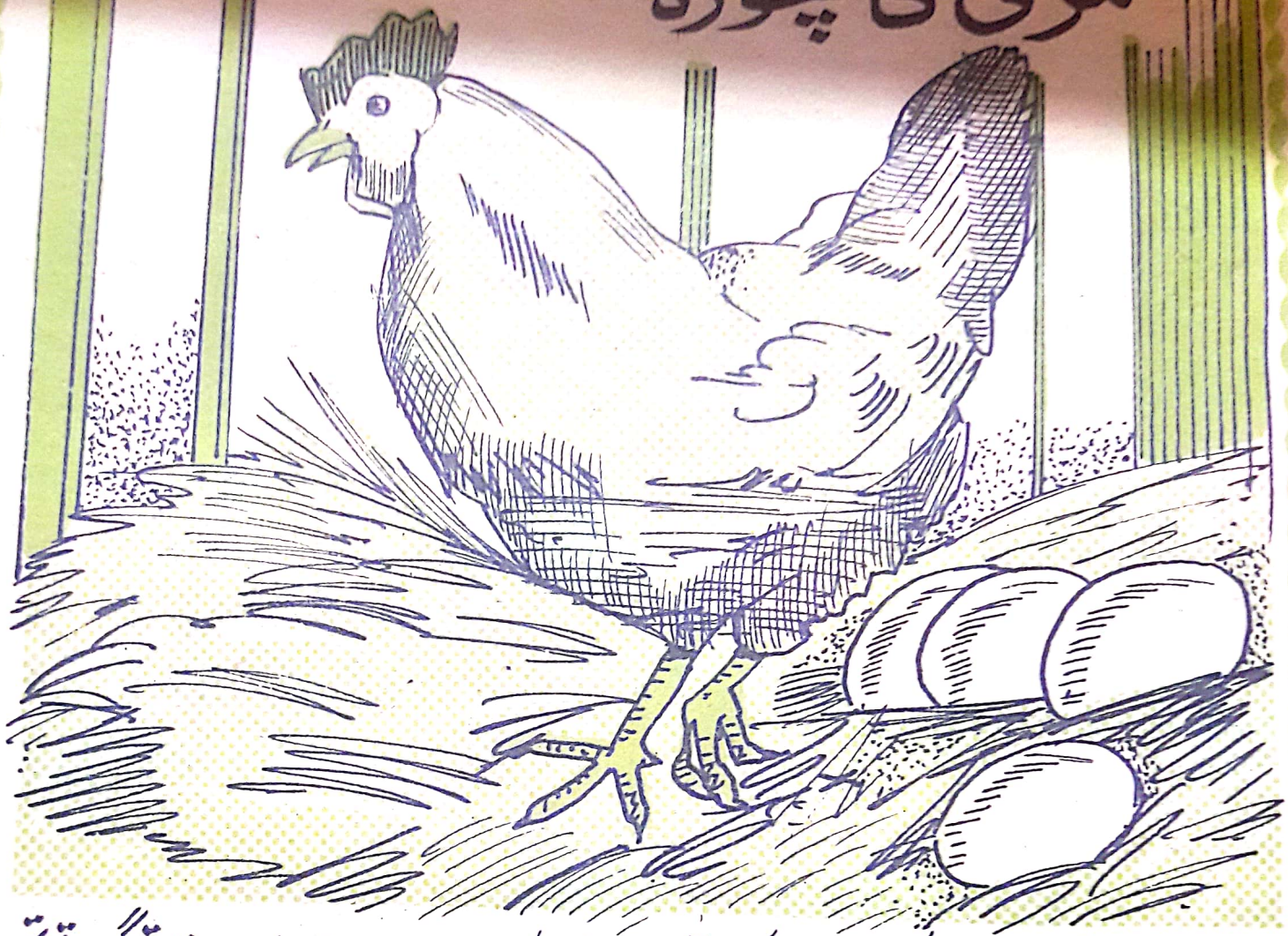

ایک گدلے پانی کی ندی بل کھاتی اور دلدلی زمین سے اپنا راستہ بناتی گزرتی تھی۔ پانی کے نزدیک ایک ارغوانی رنگ کی مُرغی اپنے دڑبے میں پندرہ انڈوں کو سی رہی تھی۔

"بیس دن گزر گئے ہیں" اس نے کُڑکُڑاتے اور جماہی لیتے ہوئے کہا۔ "ایک دن بعد میرے پیارے چُوزے انڈوں سے نکل آئیں گے۔ میں سوچتی ہوں بڑے ہو کر وہ کیسے لگیں گے۔"

ٹھیک اُسی وقت ایک ققنس یا سیمرغ آسمان پر گاتا ہوا گزرا۔ اُس کے خوبصورت پَر خوب چمک رہے تھے۔ مُرغی نے اس کی طرف تعریفی نظروں سے دیکھا۔

واہ! کتنا خوب صورت ہے۔ اگر میرے بچے بڑے ہو کر اس کی طرح سیمرغ بن

جائیں۔ یہ فضول قسم کا خیال اس کے سر میں سما گیا۔ لیکن اس نے جلد ہی اپنے آپ کو ملامت کی کہ یہ کیا بے ہودگی ہے۔ وہ تو ایک جادوئی پرندہ ہے جس نے اپنے آپ کو جلایا تاکہ ایک نئی لافانی زندگی حاصل کر سکے اور ہم صرف عام پرندے ہیں۔ بھلا ایک چوزہ کیسے ققنس بن سکتا ہے؟ میں اب کسی طرح اپنے دل میں ان احمقانہ خیالات کو جگہ نہ دوں" مرغی نے اپنے دل میں سوچا۔

لیکن وہ اپنے ہونے والے بچّوں کے مستقبل کے بارے میں سوچنے سے کیسے رہ سکتی تھی۔ اس وقت جب کہ وہ دن میں ایک قسم کا سہانا خواب دیکھ رہی تھی۔ ایک بھدّا سانپ دلدل کے پانی سے اُچھلتے اور نیچے کھسکتے ہوئے باہر آ گیا اور دیکھا کہ مرغی اپنے خیالات میں گم ہے۔ اپنی دو نوکوں والی زبان کو بجلی کی سی تیزی سے حرکت دیتے ہوئے اس نے اپنی لالچی نظریں اس غریب مرغی پر گاڑ دیں۔

بڑی خاموشی کے ساتھ وہ رینگتا ہوا دڑبے کی طرف بڑھا اور حملہ کر دیا۔ اس نے مرغی کو کاٹتے ہوئے ایک ہی حملے میں اُسے مار ڈالا۔ ایک ایک کر کے اس نے بڑی تیزی سے انڈوں کو ہڑپ کرنا شروع کر دیا۔ حتیٰ کہ وہ چودہ انڈے کھا پی گیا۔

جب وہ آخری انڈے کے قریب پہنچا تو اس کا مُنہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ ایک بڑا پرندہ بجلی کے کوندے کی طرح آسمان سے اس پر جھپٹا اور سانپ کو اُٹھا کر اُوپر لے گیا وہ اسے کافی بلندی پر لے گیا اور پھر پُوری قوّت سے اس کو زمین پر پٹک دیا۔ چالاک سانپ کا انجام وہی ہوا جو ہونا چاہیے تھا۔

وہ بڑا پرندہ ققنس کے علاوہ اور کون ہو سکتا تھا۔ "اوہ! میں بہت دیر سے پہنچا"، ققنس نے آہ بھرتے ہوئے کہا "ماں مُرغی مر چکی ہے اور اب صرف ایک انڈا باقی بچا ہے۔ اب میں کیا کر سکتا ہُوں؟" انڈے کا بہت غور سے معائنہ کرتے ہوئے اس نے انڈے کے اندر ایک حرکت سی محسوس کی۔ "یہ غریب یتیم بچّہ جلد ہی انڈے سے باہر آ جائے گا۔ جب تک میں اس کی حفاظت نہ کروں، اس کی زندگی دوبارہ خطروں میں گھر جائے گی" ققنس نے سوچا اور پھر ایک ماں کی طرح وہ اس انڈے پر بیٹھ گیا۔ حتیٰ کہ اگلی صبح مُنہ اندھیرے ایک روئیں دار ننھا سا چوزہ خول توڑ کر باہر آ گیا۔

Scanned by CamScanner

"ماں۔ ماں" ننھے چوزے نے چیں چیں کرتے ہوئے پکارا۔

"میرے غریب بچّے!" ققنس نے ننھے چوزے کو اپنی آغوش میں لیتے ہوئے کہا اور اسے اپنی چونچ سے کچھ دانا کھلایا۔

پانچ دن گزر گئے۔ اب چوزہ بڑا اور اتنا قوی ہو گیا تھا کہ بھاگ دوڑ اور پروں کو پھڑپھڑا کر چھلانگ لگا سکے اور اپنی خوراک خود تلاش کر سکے۔

"میں تمھاری طرح کیوں نظر نہیں آتا ماں!" اس نے گھونسلے میں بیٹھے ہوئے حیران ققنس سے کہا۔

"اس لیے کہ تم ایک چوزے ہو" مسکراتے ہوئے اور بات کو بڑھاتے ہوئے ققنس نے کہا "میں تمھیں حقیقت بتاتی ہوں۔ میں تمھاری حقیقی ماں نہیں ہوں۔ نادان بچے! تمھاری ماں ایک ارغوانی رنگ کی مرغی تھی!"

"تب وہ کہاں ہے؟" ننھے چوزے نے کہا۔

"ایک چالاک سانپ نے اسے ہلاک کر دیا تھا۔"

"تب میں اس قاتل کو ضرور مار دوں گا" چوزے نے سسکیاں بھرتے ہوئے

Scanned by CamScanner

عہد کیا۔

"پیارے چوزے اس طرح نہ چلاؤ۔ میں نے اسے مار کر اس کے کیے کی سزا دے دی ہے۔" ققنس نے اسے دلاسا دیتے ہوئے کہا "یہاں بہت سے شیطان سانپ چاروں طرف بکھرے پڑے ہیں جو ہمارے جانی دشمن ہیں۔"

چوزے نے قسم کھائی کہ وہ ان سب کو ہلاک کر دے گا۔

"تم نے بہت اچھا سوچا ہے۔" ققنس نے کہا۔

"اگر میں چوزہ ہوں تو تم کس قسم کے پرندے ہو؟"

"میں ایک ققنس ہوں۔"

"یہ کیا ہوتا ہے؟" چوزے نے حیرانی سے کہا۔

"ایک پرندہ جو دوسرے پرندوں کو خوش رکھنے کے لیے ان کی مدد کرتا ہے" ققنس نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"ہاں ققنس! میں جب بڑا ہو جاؤں گا تو تمھاری پیروی کروں گا" چوزے نے اپنا ارادہ ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"بہت خوب!" ققنس نے خوش ہوتے ہوئے کہا "میں نے کوئی ققنس پیدا نہیں کیا۔ ایک عام پرندے کی طرح اگر تم چاہتے ہو تو کامیاب ہو جاؤ گے۔ کل میں تمھیں الوداع کہوں گا۔ کیوں کہ ابھی مجھے بہت سے دوسرے کام کرنے ہیں۔ تمھیں چاہیے کہ اپنی حفاظت کے لیے کچھ سیکھ لو۔"

"میں کیا کروں گا" ننھا چوزہ بہت ہی افسردہ ہو گیا۔

"گھبراؤ نہیں۔ تم بالکل ٹھیک رہو گے۔ دیکھو تمھارے پاس پروں کا ایک جوڑا ہے۔ اگر تم انھیں استعمال کرنے کی کوشش نہیں کرو گے تو یہ کس طرح مضبوط بنیں گے کہ تم اڑ کر دور جا سکو۔ تم ایک چونچ اور پنجے رکھتے ہو۔ یہ تمھارے بہترین ہتھیار ہیں۔ انھیں ہمیشہ نوک دار اور تیز کرتے رہو اور ان کے استعمال کے بارے میں سیکھو۔ تم صرف اپنے گھونسلے میں بیٹھ کر یا میرے نزدیک رہ کر ققنس نہیں بن سکتے۔ نہیں، تم ابھی اور اسی وقت اپنے پاؤں پر کھڑے ہو کر اس حقیقی دنیا میں جاؤ۔ تم

جہاں کہیں بھی جاؤ، دوسروں کی مدد کرنا۔ اب میں تمہیں بتاتا ہوں کہ کس طرح اُڑا جاتا ہے۔
اگر تم نے ایک مرتبہ کافی دُور تک اُڑان کر لی تو تم چوزے نہیں رہو گے۔
بڑی احتیاط کے ساتھ قفقس نے چوزے کو بتایا کہ کیسے اُڑا جاتا ہے۔ یہ کام چوزے کے لیے بہت مشکل تھا لیکن اسے سیکھنے کا شوق تھا۔ اس کے باوجود کہ بار بار گر کر اس کا جسم دُکھ رہا تھا۔

قفقس اس کے ارادے اور استقلال کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ آخر کچھ دیر کے آرام کے بعد اس نے اُسے بتایا کہ وہ کس طرح اپنی چونچ اور پنجے استعمال کرے۔ اس نے اپنی مشق جاری رکھی۔ حتیٰ کہ وہ مکمل طور پر تھک کر چُور ہو گیا۔ قفقس خوش تھا۔ اس نے کہا:

"بس اسی طرح اپنی مشق جاری رکھو۔ تم ضرور کامیاب ہو جاؤ گے"

اگلے دن قفقس وہاں سے چلا گیا۔ چوزے نے سخت غم محسوس کیا لیکن وہ چلّایا نہیں۔
اس نے اُڑنے کے ساتھ ساتھ اپنے پنجے اور چونچ استعمال کرنے کی مشق جاری رکھی۔ دن گزرتے گئے۔ آہستہ آہستہ اس نے چند چھوٹی جھاڑیوں پر سے اُڑنا سیکھ لیا۔ پھر وہ ایک اونچے انناس کے درخت پر سے گزرا اور ایک جھیل اور آخر میں چند اونچی چٹانوں کو عبور کر گیا۔ اس کی چونچ اس قدر سخت اور نوک دار ہو گئی تھی کہ وہ ایک اخروٹ توڑ سکتا تھا۔ وہ اُڑنے کے دوران میں اپنے پنجوں میں خوراک، کا ٹکڑا،

Scanned by CamScanner

کوئی پتھر یا چھوٹا سا جانور پکڑ کر لے جا سکتا تھا۔
قفس کی ہدایتوں پر عمل کرتے ہوئے اس نے اپنا گھونسلا چھوڑ دیا تاکہ اس وسیع دنیا کے پرندوں میں جا کر گھل مل جائے۔ "خدا حافظ اے گھر" اس نے یہ کہتے ہوئے اپنے گھونسلے کے گرد کچھ چکر لگائے جو گدلے پانی کے پاس تھا۔ اور بلند سے بلند تر ہوتا چلا گیا۔ حتیٰ کہ وہ ایک کالے نقطے کی مانند نظر آنے لگا۔

ایک جھیل پر سے گزرتے ہوئے اس نے اپنا عکس پانی میں دیکھا جو آئینہ کی مانند چمک رہا تھا۔ اس کے سر پہ ایک اچھی سی کلغی تھی۔ اس کی گردن پر شوخ ہرے رنگ کے پَر تھے۔ اس کی آنکھیں قرمزی رنگ کی تھیں اور اس کے پَر آنکھوں کو چندھیا دینے والی چمک رکھتے تھے۔ اس کی دم کسی چکور کی دُم کی طرح خوب صورت تھی۔ اس نے کئی جھیلوں اور چٹانوں پر سے پرواز کرتے ہوئے ایک لمبا فاصلہ طے کیا۔ بھوک کے دوران میں اس نے جڑی بُوٹیاں کھائیں اور پیاس میں ٹھنڈا پانی پیا۔ رات کے وقت وہ کسی اُونچی چٹان کی نوک پر بسیرا کرتا تھا۔ اس کے پر بہت مضبوط ہو گئے تھے۔ اس کی آنکھیں بہت تیز ہو گئی تھیں اور اس کی چونچ اور پنجے کافی طاقت ور ہو گئے تھے۔

ایک دن وہ ایک گاؤں پر پرواز کر رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ ایک مُرغی اپنے چوزوں کے غول کے ساتھ ہے اور وہ گھاس کے اندر اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے اپنی خوراک تلاش کر رہے ہیں۔ مُرغی گھاس کو کریدتے ہوئے اپنی چونچ اور پنجوں کی مدد سے موٹے موٹے کیڑے تلاش کر کے اپنے بچوں کو دے رہی تھی جو اپنے کھانے سے لُطف اُٹھا رہے تھے۔

اچانک وہاں ایک شکرا نمودار ہوا۔ پہلے وہ ان کے گرد فضا میں منڈلایا اور پھر اپنے شکار پر جھپٹ پڑا۔ سخت خوف سے کڑکڑاتے ہوئے مُرغی نے اپنے پر پھیلا دیے۔ جب کہ اس کے ڈرے اور سہمے ہوئے بچے جلدی سے بھاگ کر اپنے آپ کو ان پروں میں چھپانے کی کوشش کرنے لگے۔

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

خشکی کا چھوٹا سا ٹکڑا تیز و تند لہریں کھا جائیں گی۔ بارش اِدھر اُدھر پڑنے لگی۔
طوفان کا مقابلہ کرتے ہوئے بہادری کے ساتھ چوزے نے بارش میں شرابور ہوتے ہوئے اور طوفانی تھپیڑے کھانے کے باوجود اپنی پرواز جاری رکھی۔ اس کی وجہ سے اس کو اپنی تمام طاقت استعمال کرنی پڑی تاکہ وہ جھیل کے دوسرے کنارے تک جا سکے۔ کافی دیر گزرنے کے باوجود وہ وہاں تک نہیں پہنچ سکا۔

تب اس نے مدد کے لیے کسی کو پکارتے سُنا۔ آواز جھیل میں سے آ رہی تھی۔ اس نے سوچا، ضرور کوئی جھیل میں گر گیا ہے اور اپنی تیز آنکھوں سے گدلے پانی میں دیکھتے ہوئے اس نے ایک ہُدہُد کو تاڑ لیا۔ جو پانی میں اپنی جان بچانے کے لیے کوشش کر رہا تھا اور اب ڈوبنے کے نزدیک تھا۔

چوزے نے تیزی سے نیچے غوطہ لگایا تاکہ ہُدہُد کی جان بچائی جا سکے۔ اُس نے اسے پنجوں میں پکڑ لیا۔ لیکن تیز و تند لہریں دونوں کو غرق کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ ہُدہُد کو بچاتے ہوئے چوزے نے اپنی گرفت اس پر مضبوط کی اور اپنی پوری قوت کے ساتھ وہ ہُدہُد کو لے کر پانی سے نکل گیا اور اسے خشکی پر لے آیا۔ وہاں آہستگی سے اس نے ہُدہُد کو اتارا اور درخت پر بٹھا دیا۔

ہُدہُد دل سے اس کا شکر گزار تھا۔ کیوں کہ اس نے اس کی جان بچائی تھی۔ اس نے چوزے کو بتایا کہ میں اس درخت کو کیڑوں سے پاک کر رہا تھا کہ ایک تیز ہوا کا جھونکا مجھے اڑا کر جھیل پر لے گیا لیکن تمھاری وجہ سے میں ڈوبنے سے بچ گیا۔ میں کس طرح تمھارا شکریہ ادا کروں۔

"یہ تو کچھ بھی نہیں۔ میں نے وہی کیا جو میں کر سکتا تھا" چوزے نے کہا۔

طوفان بند ہو گیا اور جب نیلگوں آسمان کا عکس جھیل میں چمکنے لگا۔ چوزے نے ہُدہُد کو چھوڑا اور دوبارہ پرواز کرنے لگا۔ دن میں وہ جنگل پر گشت کرتا۔ گھاس کے میدانوں، پہاڑوں اور ساحلی علاقوں پر پرواز کرتا اور رات کے وقت وہ چٹانوں پر بسیرا کرتا۔ مطلع چاہے کیسا ہو، وہ تمام موسموں میں دوسرے پرندوں کی مدد کرتا۔

Scanned by CamScanner

وقت گزرتا گیا۔ ایک دن اس نے دیکھا کہ ایک سنہری کوا جنگل کے کنارے ایک اونچے درخت پر بیٹھا غم بھری آواز میں چلا رہا ہے۔

"تم اتنے افسردہ کیوں ہو؟" چوزے نے سوال کیا۔

"میری چھوٹی بچی گم ہو گئی ہے"۔ کوے نے جواب دیا۔ "میں نے اسے تمام جگہ تلاش کیا لیکن وہ مجھے نہیں ملی۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں کسی لومڑی یا عقاب نے اسے نہ پکڑ لیا ہو۔"

"گھبراؤ نہیں۔ میں اسے ڈھونڈنے میں تمہاری مدد کروں گا۔ شاید ہم اسے ڈھونڈ نکالیں۔" یہ کہتے ہوئے وہ جنگل میں اڑ گیا۔ تلاش کے دوران میں اسے ایک جنگلی فاختہ ملی۔ چوزے نے اس سے پوچھا "سنہری کوا اپنی بیٹی کھو چکا ہے۔ کیا تم نے اسے دیکھا ہے؟"

جنگلی فاختہ نے اسے نہیں دیکھا تھا لیکن اس نے مشورہ دیتے ہوئے کہا: "جاؤ اور چنڈول سے معلوم کرو۔ وہ ہمیشہ اونچی پرواز کرتی ہے اور تمام گانے والے پرندوں کو دوست بناتی ہے۔ شاید وہ جانتی ہو۔"

آخر چوزے نے چنڈول کو ایک سفید بادل کے ٹکڑے کے نیچے تلاش کر لیا اور اس نے گم شدہ پرندے کے بارے میں سوال کیا۔

چنڈول نے کہا "ہاں، میں نے اسے صبح دیکھا تھا۔ ہم ایک ساتھ گا اور کھیل رہے تھے۔ تب وہ مغرب کی طرف اڑ گئی تھی۔"

چوزے نے اس سمت میں تیزی سے پرواز شروع کر دی۔ یہاں تک کہ اس نے دیکھا کہ جنگل میں ایک جگہ دھواں اُمڈ رہا ہے۔ جنگل کو آگ لگ گئی ہے۔ "میں سب کو بلاتا ہوں تاکہ وہ اسے بجھا سکیں۔"

اسی وقت اس نے کسی کو مدد کے لیے پکارتے ہوئے سنا۔ کوئی اس دھوئیں میں گر گیا ہے۔ ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا جا سکتا۔ اس گہرے دھوئیں کی وجہ سے اس کا دم گھٹ رہا ہے۔ اپنے پنجوں میں اسے مضبوطی سے پکڑتے ہوئے چوزہ اسے لے کر تازہ ہوا میں آ گیا۔

Scanned by CamScanner

"یہاں کافی خطرہ ہے"۔ اس نے کوّے کی بیٹی سے کہا "تمہاری ماں جنگل کے سرے پر تمہارا انتظار کر رہی ہے۔ جلدی سے وہاں پہنچو"۔

اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کوّے کی بیٹی اُڑ گئی۔ جب کہ چوزے نے خطرے کا الارم بجا دیا۔ ہزاروں پرندے اور جانور جو اس جنگل میں رہتے تھے پانی اور ریت لے کر آگ کا مقابلہ کرنے نکل پڑے۔

چوزے نے اپنے آپ کو پانی سے بھگویا اور اپنے بھیگے ہوئے پروں کے ساتھ اس نے ایک جلتے ہوئے درخت کو بجھانے کی کوشش کی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ ایسا کرتا رہا۔ حتیٰ کہ اس کے پروں کی نوک جل گئی اور سینہ بری طرح جھلس گیا۔ تمام وقت وہ دوسرے پرندوں کے ساتھ کام کرتا رہا اور ان کا حوصلہ بڑھاتا رہا۔ وہ تمام جگہ اُڑا۔ اس کی آنکھوں میں درد ہو گیا۔ اس کا گلا سوکھ گیا۔ وہ اگرچہ غش ہونے پر تھک چکا تھا لیکن مصروفِ عمل تھا اور آگ کا مقابلہ کر رہا تھا۔ اپنے پروں کو گیلا کرتے ہوئے وہ ایک دفعہ پھر شعلوں میں گھس گیا۔ لیکن اس دفعہ وہ بے ہوش ہو کر شعلوں میں گر گیا۔

تمام پرندے اور جانور خوف سے اپنے بہادر ساتھی کے بچھڑنے پر رونے لگے۔ تب اچانک چوزہ شعلوں میں اُٹھا آسمان کی طرف۔ اب اس کی ہیئت بدل چکی تھی۔ اس کا جسم بڑا ہو چکا تھا۔ اس کے پر سنہری شعاعوں سے چمک رہے تھے۔ جب اس نے اپنے پر پھڑپھڑائے شعلے اِدھر اُدھر بھڑکنے لگے۔ اچانک وہاں روشنی چمکی اور بادلوں کی گڑگڑاہٹ سنائی دی۔ تب بارش برسنے لگی۔

آگ جلد ہی بجھ گئی۔ جنگل ایک دفعہ پھر ہرا ہو گیا۔ تمام پرندے اور جانور خوشی سے تالیاں بجانے لگے اور ایک جوان ققنس آسمان پر منڈلانے لگا۔

Scanned by CamScanner

اقبال کے نقشِ قدم پر

فیضی

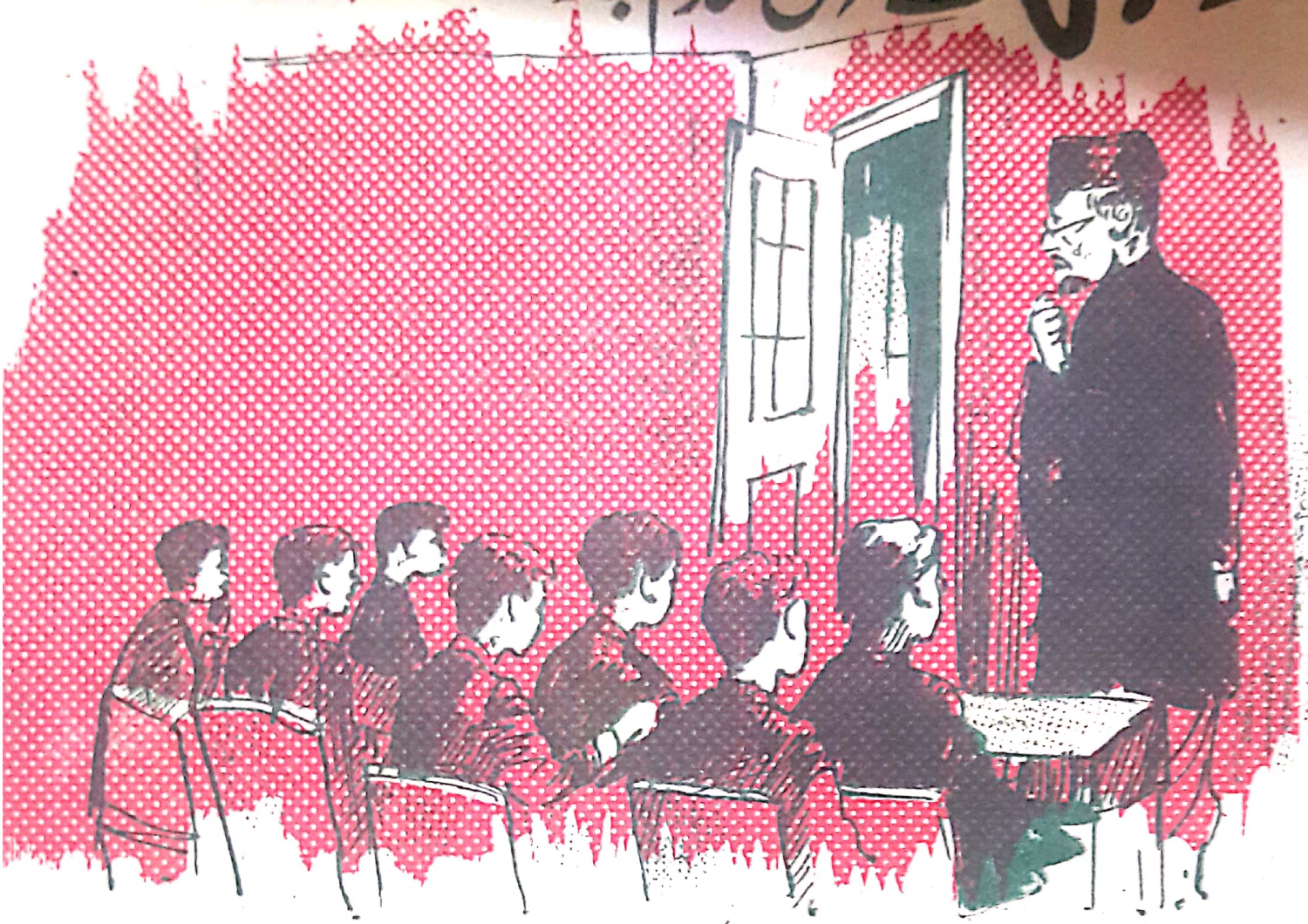

چشتی صاحب نے کلاس پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی اور پڑھنا شروع کیا:

"ایک دفعہ علامہ اقبال رحیما عطار کی دکان پر کھڑے تھے۔ تختے پر حقہ دھرا تھا، علامہ حقہ پی رہے تھے۔ ایک پاؤں زمین پر تھا اور دوسرا تختے پر۔ طلائی جوتے پہنے ہوئے تھے۔ جو پاؤں تختے پر تھا، اس کا جوتا کسی قدر ڈھیلا تھا۔ اتفاق سے مولوی میر حسن ادھر سے گزرے اور علامہ اقبال کی نظر ان پر پڑ گئی۔ جھٹ تختے پر سے پاؤں نیچے کیا۔ پاؤں کا جوتا تختے پر ہی چھوڑا اور صرف ایک ہی پاؤں میں جوتا پہنے اپنے استاد محترم کی طرف لپکے۔ حضرت شاہ صاحب آگے آگے تھے اور علامہ اقبال گردن جھکائے ان کے پیچھے پیچھے مؤدبانہ جا رہے تھے۔ ایک پاؤں میں جوتا تھا، دوسرے میں

Scanned by CamScanner

نہ تھا۔ حضرت شاہ صاحب کو اُن کے گھر تک پہنچا کر آئے اور پھر اگر اپنا جوتا پہنا۔ کیا آج کے زمانے میں اس ادب و اخلاق اور طبعی سعادت کا کوئی تصور بھی کر سکتا ہے"؟

آخری الفاظ پڑھتے ہوئے چشتی صاحب خواہ مخواہ جذباتی ہو گئے۔ انھوں نے زبردستی اپنے چہرے پر طنزیہ تاثرات پیدا کیے اور لہجے میں تھوڑی سی کچھ حقارت شامل کرتے ہوئے بولے:

"اُونہہ آج کل کے شاگرد! انھیں کیا معلوم کہ اُستاد کا اَدب کیسے کیا جاتا ہے؟"

"سر....." ہم جھجکتے ہوئے کھڑے ہو گئے۔

"کیا بات ہے؟" چشتی صاحب نے ہم پر حقارت کی نگاہ ڈالتے ہوئے پوچھا۔

"سر! یہ بات ٹھیک ہے کہ علّامہ اقبال بہت عظیم انسان تھے اور وہ اپنے اساتذہ کا بہت اَدب کرتے تھے لیکن سر ہم بھی آپ کا بہت اَدب کرتے ہیں۔ آپ کی جتنی عزت ....."

"رہنے دو ــــ" چشتی صاحب نے بات کاٹتے ہوئے کہا "میں جانتا ہُوں کہ تم میرا کتنا اَدب کرتے ہو۔ کتنی عزت ہے میری تمھارے دل میں۔ پرسوں میرے سائیکل کی نئی ٹیوب کون بیچ آیا تھا اور اس کی جگہ پُرانی ٹیوب کس نے رکھی تھی۔ کل ہیڈ ماسٹر صاحب سے میرے نام پہ تین روپے اُدھار لے کر چاٹ کس نے کھائی تھی۔"

سب لڑکے قہقہے لگانے لگے ــــ

"کچھ بھی ہو سر! ہم یہ ثابت کر دیں گے کہ ہمارے دل میں آپ کا بہت احترام ہے" ہم نے مضبوط لہجے میں کہا۔

"دیکھیں گے ــــ" چشتی صاحب نے ہمیں شعلہ برساتی نظروں سے گھورا۔ پیریڈ کی گھنٹی بجی اور چشتی صاحب اپنا رجسٹر اُٹھا کر کلاس سے باہر

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

"رُکیے سر ― !" ہم چلائے۔
"اوہ قیصر تم ہو! میں سمجھا کوئی کُتا ہے" چشتی صاحب نے سکون کا سانس لیا۔
چشتی صاحب کی اس درپردہ چوٹ پر ہم تلملا کر رہ گئے لیکن احترام کا جذبہ غالب آگیا۔
"کیا بات ہے؟" چشتی صاحب نے پوچھا۔
"سر! آپ کو پتا ہے کہ ہم آپ کا بہت احترام کرتے ہیں۔ ہم آپ کو گھر تک پہنچا کر آئیں گے۔"
"کوئی ضرورت نہیں۔ میں بچہ نہیں ہوں!" چشتی صاحب نے بے رُخی سے کہا اور چل دیے۔
"بچے تو مولوی میر حسن صاحب بھی نہیں تھے" ہم نے دل میں سوچا اور بدستور چشتی صاحب کے پیچھے چلتے رہے۔ چشتی صاحب نے کچھ دیر بعد مُڑ کر ہماری طرف دیکھا۔
"تم ابھی تک گئے نہیں؟"
"سر! ہم آپ کو گھر تک پہنچا کر آئیں گے" ہم نے مؤدّبانہ لہجے میں کہا۔
چشتی صاحب نے ہمیں عجیب سی نظروں سے دیکھا۔
"اِدھر آؤ!" انھوں نے کہا۔
ہم جھجکتے ہوئے اُن کے قریب پہنچ گئے۔
"کِنّو کھانا چاہتے ہو؟" انھوں نے کہا
"نہیں سر!"
"کیلا تو نہیں چاہتے؟"
"نہیں سر!"
"پھر تم کیا کھانا چاہتے ہو؟" انھوں نے جھلّا کر کہا۔
"سر! ویسے تو میں کِنّو اور کیلا ملا کر کھاتا ہوں لیکن اس وقت کچھ نہیں

کھاؤں گا" ہم نے سر جھکا کر کہا۔
"میں تمھیں کچھ نہیں دوں گا"۔ چشتی صاحب نے چلا کر کہا اور تیز تیز قدم اٹھانے لگے۔

ہم نے دل کو تھاما اور اُن کے پیچھے لپکے۔ چشتی صاحب بار بار مڑ کر ہمیں دیکھتے، دانت پیستے، مٹھیاں بھینچتے اور پھر چلنے لگتے۔ اچانک وہ رُکے اور ہمیں خوں خوار نظروں سے دیکھنے لگے۔

"میں جانتا ہوں کہ تم کیا چاہتے ہو!" انھوں نے گرجتے ہوئے کہا۔

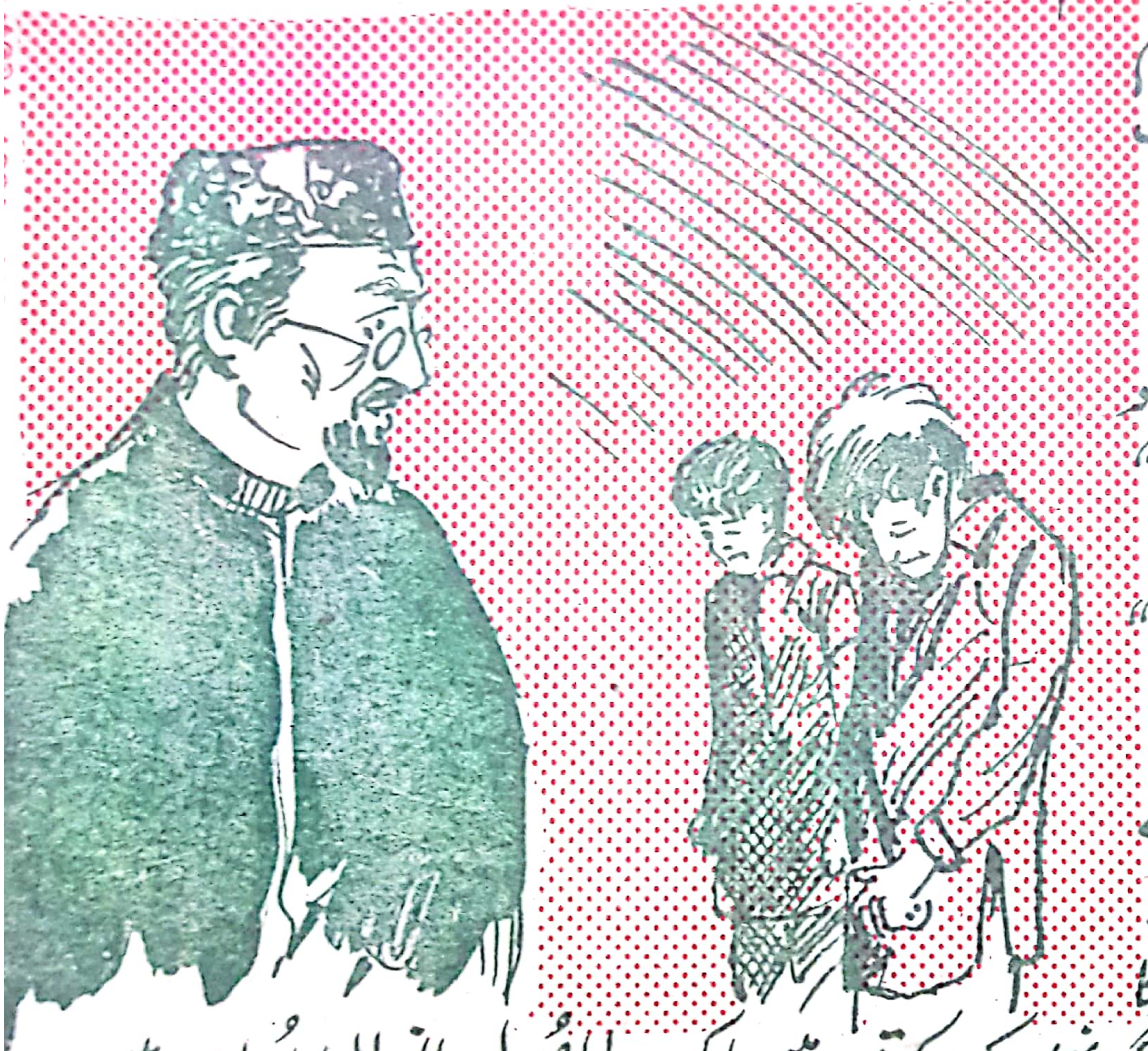

"کیا سر؟" ہم نے دُنیا بھر کی معصومیت اپنے چہرے پر سمیٹتے ہوئے پوچھا۔

"لیکن تم یاد رکھو ایسا کبھی نہیں ہو سکتا" وہ دوبارہ گرجے۔

"لیکن کیا سر؟" ہم گڑبڑا گئے۔

"تم یہی چاہتے ہو نا کہ میں اُردو کے پرچے میں زیادہ نمبر لگا دوں۔ لیکن میں ایسا ہرگز نہیں کر سکتا۔ میں ایک با اُصول اِنسان ہوں۔ میں ضمیر فروش نہیں ہوں۔"

"لیکن سر! ہمیں اُردو کے پرچے میں زیادہ نمبر نہیں چاہئیں" ہم نے عرض کی۔

"پھر کیا چاہیے؟" انھوں نے ہمیں بہت زور سے گھورا۔

Scanned by CamScanner

"کچھ نہیں سر!" میں آپ کا . . . ."

"خدا کے لیے میری جان چھوڑ دو" انھوں نے سچ مچ ہاتھ جوڑ دیے۔

"سر! ہم آپ کو گھر تک چھوڑ کر آئیں گے" ہم نے کہا۔

انھوں نے بے بسی سے ہماری طرف دیکھا۔ پیر پٹخائے اور تیزی سے چلنے لگے۔ ہم سر جھکائے اُن کے پیچھے چل رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد ان کا گھر آ گیا۔

"کیا واقعی تمھارے دل میں میرا بڑا احترام ہے" انھوں نے ہماری طرف مُڑتے ہوئے پُوچھا۔

"بالکل سر! ہم آپ کا اتنا احترام کرتے ہیں جتنا مجنوں لیلیٰ کے کتے کا کرتا تھا۔ جتنا . . . ."

لیکن چشتی صاحب ہمیں ٹھہرنے کا کہہ کر اندر چلے گئے۔ چنانچہ ہم نے بقیہ ڈائیلاگ کسی اور وقت کے لیے سنبھال لیے۔

تھوڑی دیر بعد چشتی صاحب دوبارہ نمودار ہوئے۔ ان کے ہاتھ میں ایک کپڑا اور ایک کارڈ تھا۔

"یہ لو کپڑا اور راشن کارڈ۔ دوڑ کر ڈپو سے آٹا لے آؤ"

ہمارے دل کی ننھی منّی نگری میں ایک لمبا چوڑا دھماکا ہوا اور آرزوئیں دل ہی دل میں دم توڑ کر رہ گئیں۔ ہمیں ڈپو سے آٹا لانے کا کام بالکل پسند نہیں تھا۔ لیکن سعادت مندی کے اس آخری مرحلے میں ہم ناکام نہیں ہونا چاہتے تھے۔ چنانچہ کپڑا اور راشن کارڈ پکڑا اور ڈگمگاتے قدموں سے ڈپو کی طرف روانہ ہوئے۔ ڈپو سے آٹا حاصل کرنے کی داستان میر کے اشعار سے زیادہ دردناک اور پُرسوز ہے۔

تمام ڈھلے جب ہم آٹا لے کر چشتی صاحب کے گھر پہنچے تو ہمارے بال سفید ہو چکے تھے۔ (آٹے کی وجہ سے)

وہاں سے فارغ ہو کر ہم تیزی سے بشیرے کی ریڑھی کی طرف بھاگے

Scanned by CamScanner

...یں چھوڑ کر لیا تھا۔ مجھے لا کر دو کہیں سے" ہم نے ناراض ہوتے ہوئے کہا۔

"میں کیتھوں لیا کے دیواں" بشیرے نے دوگنا ناراض ہو کر کہا۔

"ہم نے دال گلتی نہ دیکھی تو عاجزانہ لہجے میں کہا " اچھا پھر مونگ پھلی ہی دے دو۔"

"چل اوئے، دُڑکی لا" بشیرے نے ہماری کمر میں ایک زوردار مُکا رسید کر دیا۔

ہم نے بشیرے کے تیور دیکھے۔ کمر سہلائی اور پھر دُڑکی لگاتے ہوئے گھر پہنچ گئے۔ گھر پہنچ کر ہم غسل خانے میں داخل ہو گئے تاکہ سفید بالوں کو پھر سے کالا کر سکیں۔

"یوں ہم اقبال کی تقلید کرتے کرتے تقریباً آدھ پاؤ مونگ پھلی اور اپنے نئے نویلے جوتوں سے محروم ہو چکے تھے۔"

سنہری باتیں:

* مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے۔
* دل کی سب سے بڑی بیماری حسد ہے۔
* مصیبت میں گھبرانا سب سے بڑی مصیبت ہے۔
* جس نے جھوٹی قسم کھائی، اس نے اپنے گھر کو ویران کر دیا۔

(ضیغم۔ لاہور)

Scanned by CamScanner

اچھے اچھے کام کریں گے

محنت سے ہم کام کریں گے
خوش حالی کو عام کریں گے
پہلے پوری محنت کر کے
بعد میں ہم آرام کریں گے
لکھتے لکھتے، پڑھتے پڑھتے
صبح سے لے کر شام کریں گے
اپنے وطن کی خدمت کر کے
ملک کا روشن نام کریں گے
ہم ہیں پاکستانی بچے
قول کے پکے، بات کے سچے

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

نکالے اور انھیں میز پر سجا دیا اور حاضرین سے مخاطب ہو کر بولا :

"خواتین و حضرات ! یہاں آپ کی نظروں کے سامنے چار گل دستے رکھے ہوئے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ سب لوگوں کو پھول اچھے لگتے ہیں خصوصاً گلاب — جو پھولوں کا بادشاہ ہے۔ بہرحال یہاں پر گلاب کے پھولوں کے چار گل دستے موجود ہیں جن میں صرف ایک گل دستہ اصلی پھولوں کا ہے اور باقی تین مصنوعی۔ میں یہاں چیلنج کرتا ہوں۔ کیا آپ میں سے کوئی یہ پہچان سکتا ہے کہ اصلی گل دستہ کون سا ہے ؟"

وہ کچھ دیر کے لیے ٹھہرا اور حاضرین پر ایک نظر ڈالی جو اس کی گفتگو بڑی دل چسپی سے سن رہے تھے۔ وہ پھر بولا :

"میں اس شخص کو دو سو روپے انعام دوں گا جو یہ شناخت کر لے کہ ان گل دستوں میں اصلی پھولوں کا گل دستہ کون سا ہے۔ کیا آپ میں سے کوئی اصلی گل دستہ پہچان سکتا ہے۔ کبھی آپ کو دو سو روپے کمانے کا اتنا آسان موقع ملا ہے ؟"

"اس چیلنج سے آپ کو کیا فائدہ ہو گا ؟" ایک شخص نے سوال کیا۔

"بے حد مناسب سوال ہے۔ میں دو سو روپے کا نقصان کیوں اٹھاؤں اس لیے کہ یہ میرا کاروبار ہے اور اگر آپ نے صحیح گل دستے کو پہچان لیا تو میں یہ نقصان بخوبی برداشت کر لوں گا لیکن اگر آپ صحیح گل دستہ شناخت نہ کر سکے ؟" وہ ذرا چپ ہو گیا پھر بولا :

"اگر چیلنج کرنے والا شخص صحیح گل دستہ تلاش نہ کر سکا تو وہ مجھ سے میرے تمام پلاسٹک کے پھولوں کے گل دستے خریدے گا۔ دس روپے فی گل دستہ۔ بہت ہی مناسب پیش کش ہے ؟"

"میں یقیناً پہچان لوں گا۔ ورنہ میں یہ تمھارے تمام گل دستے خرید لوں گا" ایک شخص کھڑا ہو کر بولا "مگر ایک شرط ہے ؟"

"وہ شرط کیا ہے ؟" گل دستے والا بولا۔

Scanned by CamScanner

"آپ ان چاروں گل دستوں کو کھڑکی میں سجا دیں اور کھڑکی کے شیشے کھول دیں۔"

یہ چند منٹ حاضرین کے لیے بڑے تکلیف دہ تھے۔ جب گل دستے کھڑکی میں رکھ دیے گئے تو چیلنج کرنے والا شخص آگے بڑھا۔ اس نے چاروں گل دستوں کو غور سے دیکھا اور پھر ایک گل دستہ اٹھا لیا۔ جس میں سے ابھی ایک شہد کی مکھی نکل کر گر پڑی تھی۔

"یہ اصلی پھولوں کا گل دستہ ہے" اس شخص نے خوشی اور اعتماد کے ملے جلے لہجے میں کہا۔

"بالکل غلط" گل دستے فروش نے کہا "حقیقت یہ ہے کہ جو گل دستہ تم نے منتخب کیا ہے نقلی ہے۔ جب تم نے کہا تھا کہ تمام گل دستے کھڑکی پر رکھ دیے جائیں اور شیشے کھول دیے جائیں، اسی وقت میں تمھاری عقل مندی کو سمجھ گیا اور میں نے اس نقلی گل دستے میں ایک مُردہ شہد کی مکھی رکھ دی جو ہوا چلنے سے خود بخود باہر آ گری اور تم نے سمجھ لیا کہ شہد کی مکھی اصلی پھولوں کا رس چوس کر باہر آئی ہے۔"

اس نے فاتحانہ انداز سے مجھ پر ایک نگاہ ڈالی اور پھر اس آدمی کی طرف دیکھا جو منتخب کردہ گل دستے کا جائزہ لے رہا تھا۔ اپنی تسلی کر لینے

Scanned by CamScanner

کے بعد اس نے شکست تسلیم کر لی اور گردن جھکا دی۔

"تو پھر آپ اپنے وعدے کے مطابق میرے تمام گل دستے خرید رہے ہیں؟" گل دستہ فروش نے پوچھا۔

"ہاں میں اپنے وعدے پر قائم ہوں"

اجنبی نے سوٹ کیس کھولا اور تمام گل دستے نکال کر باہر رکھ دیے۔ ان کی تعداد چالیس تھی۔ اس حساب سے اس آدمی کو چار سو روپے ادا کرنے پڑے۔

گل دستہ فروش نے اپنا سوٹ کیس بند کیا اور باہر نکل گیا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ اور دل فتح و کامرانی کے جذبے سے سرشار تھا۔ "یہ مقابلہ مجھ سے کبھی کوئی نہیں جیت سکتا۔ کسی کو کیا معلوم کہ میرے پاس اصلی اور قدرتی پھولوں کا کوئی گل دستہ نہیں ہوتا۔ سب کے سب مصنوعی ہوتے ہیں" اس نے باہر نکلتے ہوئے کہا۔

کتابیں منگوانے سے پہلے

- دیکھ لیجیے کہ آپ کے شہر میں فیروز سنز کی کوئی شاخ یا مرکزِ فروخت تو نہیں۔ شاخ یا مرکزِ فروخت ہو تو وہیں سے کتابیں لیجیے۔ آپ کا ڈاک خرچ بچ جائے گا ورنہ پھر ہم سے منگوائیے۔
- کبھی کبھی آپ صرف ایک کتاب منگواتے ہیں جس پر آپ کو خاصا محصول ڈاک دینا پڑتا ہے کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ آپ ایک دو دوستوں کو شامل کر لیں۔ یوں محصول ڈاک بٹ جائے گا 200 گرام وزنی کتاب پر 3-00 اور زیادہ وزن پر زیادہ ڈاک خرچ آتا ہے۔
- آرڈر کے ساتھ پوری قیمت مع محصول ڈاک پیشگی بھیجیے اور منی آرڈر کوپن پر کتابوں کا نام اور اپنا پتا صاف لکھیے۔

فیروز سنز لمیٹڈ لاہور

Scanned by CamScanner

بابا خیرو

ناصر رضوی۔ جہلم

"اللہ کے نام پر دس پانچ پیسے دے دو۔ اللہ تمھارا بھلا کرے۔"

بابا خیرو پورے پورے دن اسی طرح گلی گلی محلہ محلہ بھیک مانگتا پھرتا تھا۔ بابا خیرو کی عمر کوئی چالیس پینتالیس کے لگ بھگ ہو گی۔ دُبلا پتلا بابا خیرو اسی طرح آواز لگاتا آس پاس کے علاقوں سے گزرتا۔ دن ڈھلے اپنی جھونپڑی تک جا پہنچتا۔ جھونپڑی کے دروازے ہی پر اس کا دس گیارہ سالہ بیٹا جمو بیٹھا ملتا۔ یہ روزانہ کا معمول تھا۔ جمو ہر روز بابا خیرو کو دیکھتے ہی شکایت کرتا۔

"ابا! آج پھر تم بھیک مانگنے گئے تھے۔ کل تم نے کہا تھا کہ آیندہ تم بھیک نہیں مانگا کرو گے۔"

"چل بیٹا! اندر چل۔ تیری ماں روٹی پکا کر ہمارا انتظار کر رہی ہو گی۔"

بابا خیرو جمو کو کوئی جواب نہ دیتا بلکہ اسے اُٹھا کر اندر جھونپڑی میں لے آتا۔

Scanned by CamScanner

"خیرو! سن آج فتو ابھی تک نہیں آیا" ماں نے خیرو اور جمو کے سامنے روٹی رکھتے ہوئے پوچھا۔

"بھاگاں! یہ اپنا فتو بہت لالچ کرنے لگا ہے۔ زیادہ پیسے مانگنے کے لیے نہ جانے کہاں دھکے کھاتا پھرتا ہے" بابا خیرو نے اپنی بیوی سے کہا۔

"آگیا، ابّا! آگیا۔ بس آج تھوڑی سی دیر ہوگئی تھی" جمو کا بڑا بھائی فتو جھونپڑی میں داخل ہوتے ہوئے بولا۔

فتو کی عمر کوئی اٹھارہ سال ہوگی۔ وہ ہٹا کٹا جوان محنت مزدوری کرنے کے بجائے بھیک مانگا کرتا تھا۔ وہ بالکل اَن پڑھ تھا۔ اسے بابا خیرو نے شروع سے بھیک مانگنے پر لگا دیا تھا۔ جب کہ جمو بابا خیرو کا بڑا لاڈلا تھا۔ بابا خیرو اکثر اسے اپنے ساتھ چمٹا کر کہا کرتا تھا:

"میں تو اپنے جمو کو افسر بناؤں گا افسر۔ جمو بیٹا خوب پڑھا کر، خوب محنت سے پڑھا کر۔"

بابا خیرو نے جمو کو قریب ہی کے پرائمری سکول میں داخل کرا دیا تھا۔ جمو روز صبح اُٹھ کر سکول جاتا۔ وہ بہت محنتی اور لائق بچّہ تھا۔ ہر جماعت میں اوّل آتا۔ اسی طرح اب وہ چوتھی جماعت میں پہنچ گیا تھا۔ جمو بہت حسّاس تھا۔ اکثر اس کے دوست اسے طعنے دیتے کہ وہ ایک فقیر کا بیٹا ہے۔ وہ بے چارہ بہت شرمندہ ہوتا۔ اسی لیے وہ اپنے ابّا اور بھائی کو بھیک مانگنے سے منع کرتا تھا۔ لیکن بھیک مانگنا تو اب ان کی کمائی کا ذریعہ بلکہ عادت بن چکا تھا۔ اسے وہ اب نہیں چھوڑ سکتے تھے۔

اِتنے میں فتو ہاتھ مُنھ دھو کر آگیا۔ سب کھانے پر اس کا انتظار کر رہے تھے۔ فتو کے آتے ہی کھانا شروع ہوگیا۔ فتو بڑی خوشی خوشی اپنے ابّا کو بتا رہا تھا:

"ابّا آج میں نے ساٹھ روپے اکٹھے کیے۔ میں دُور گلبرگ تک گیا تھا۔ بابا وہاں کے لوگ بڑے امیر ہیں۔"

Scanned by CamScanner

"بس بیٹا! اب ہم کچھ دنوں میں تیری شادی کر دیں گے۔ اکیس ہزار روپے تو جمع ہو گئے ہیں۔"

جمو جو اتنی دیر سے خاموشی کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا۔ آخر بول اُٹھا:

"بابا! آخر تم بھیک کیوں مانگتے ہو؟"

"جمو! تو روز ہی یہ پوچھتا ہے۔ ہر روز اپنے ابّا کو بھیک مانگنے سے منع کرتا ہے۔ تجھے معلوم نہیں ہے۔ اگر وہ بھیک نہ مانگے تو ہم روٹی کہاں سے کھائیں گے" بابا خیرو کی بجائے اماں نے ذرا غصّے سے جواب دیا۔

"ابّا بھیک مانگنا برا ہوتا ہے۔ میرے سب ہم جماعت میرا مذاق اڑاتے ہیں کہ میں بھیک منگے کا لڑکا ہوں"۔ جمو نے دوبارہ بابا خیرو سے کہا "بابا! میرا دوست اکرم کہہ رہا تھا کہ ہمارے مذہب اسلام نے بھیک مانگنے سے بڑی سختی سے روکا ہے۔ بابا تم یہ کام چھوڑ کیوں نہیں دیتے؟"

"بابا اس نے چار جماعتیں کیا پڑھ لی ہیں ہمیں نصیحتیں کرنے لگا ہے۔ ارے جمو کے بچے سُن رہا ہے آئندہ کبھی اس معاملے میں ٹانگ مت اڑانا۔ ورنہ مجھ سے بُرا کوئی نہ ہوگا" فتو سخت لہجے میں بولا۔

"او فتو چُپ کر" بابا خیرو نے فتو کو ڈانٹا پھر جمو سے بولا "تو اس بارے میں فضول نہ سوچا کر۔ تیرا کام پڑھائی ہے۔ چل اب سو جا۔"

Scanned by CamScanner

جمو کو انھوں نے سُلا دیا۔ پھر سب سو گئے۔ اگلے دن پھر وہی ہوا۔ ناشتہ کر کے جمو سکول چلا گیا۔ اس کے بعد بابا خیرو اور فتو بھیک مانگنے نکل پڑے۔ دوپہر کو جمو سکول سے آیا تو زار و قطار رو رہا تھا۔ اماں نے لاکھ پوچھا اس نے کوئی جواب نہ دیا اور وہ بغیر کھانا کھائے سو گیا۔

شام کو جب بابا خیرو بھیک مانگ کر واپس جھونپڑی میں آیا تو عادت کے خلاف جمو اُسے دروازے پر نہ ملا۔ وہ بڑا حیران ہوا۔ پھر اس نے سوچا کہ شاید جمو بیمار نہ ہو گیا ہو۔ اندر جا کر دیکھا جمو ابھی تک سو رہا تھا۔ اماں نے بتایا کہ جمو بغیر کھانا کھائے سو گیا تھا۔ جب وہ سکول سے آیا تو بہت رو رہا تھا۔ بابا خیرو نے جھنجھلا کر پوچھا:

"تو نے اس سے پوچھا نہیں۔ کسی نے اسے مارا نہ ہو۔"

"میں نے پوچھا تھا لیکن کوئی جواب ہی نہیں دیا اور کھانا بھی نہیں کھایا۔"

اتنے میں فتو بھی آ گیا۔ بابا خیرو نے جا کر جمو کو اُٹھایا۔ اسے پیار کیا اور پوچھا۔

"بیٹا! تو نے دوپہر کو کھانا نہیں کھایا۔ طبیعت تو ٹھیک ہے۔ آ کھانا کھا۔ اور بھاگاں! جلدی روٹی پکا۔ ہمارا جمو صبح کا بھوکا ہے۔"

"نہیں بابا! میں روٹی نہیں کھاؤں گا" جمو بولا۔

"ہیں، روٹی نہیں کھائے گا؟"

"بابا! اس کا تو دماغ خراب ہو گیا ہے۔"

"ہاں بابا صحیح کہہ رہا ہوں میں بھیک میں مانگی ہوئی روٹی نہیں کھاؤں گا۔" جمو نے دوبارہ بابا خیرو سے کہا۔

"نہیں بیٹا! یہ بھیک میں مانگی ہوئی روٹی تھوڑی ہے۔ میں نے خود پکائی ہے" اماں نے روٹی سامنے رکھتے ہوئے محبت سے کہا "کھا لے میرے بیٹے! تجھے سخت بھوک لگی ہو گی۔"

"نہیں اماں! میں نے کہہ دیا کہ میں یہ بھیک میں مانگے ہوئے پیسوں کی

Scanned by CamScanner

روٹی نہیں کھاؤں گا" جمو نے چلا کر کہا۔

"بیٹا! صاف صاف بات کر" بابا خیرو نے پوچھا۔

"ابا! ماسٹر صاحب کہہ رہے تھے کہ ہمارے رسول پاک نے بھیک مانگنے سے سخت منع کیا ہے۔ انھوں نے فرمایا ہے کہ جو بھیک مانگتا ہے، قیامت کے روز اس کے منہ پر کالک لگی ہوگی۔"

"چل بیٹا! تُو تو روٹی کھالے۔ بھیک ہم مانگتے ہیں۔ قیامت کے روز ہم ہی سزا بھگتیں گے" اماں نے پیار سے کہا۔

"لے بیٹا کھالے"

بابا خیرو نے نوالہ بنا کر اُسے دیا "تو بھیک نہ مانگنا۔ تُو تو بڑا افسر بنے گا۔ بہت بڑا۔ پڑھ لکھ کر۔"

"نہیں ابا! میں بھیک میں مانگی ہوئی روٹی ہرگز نہیں پلوں گا۔ اس طرح میں بھی گناہ گار ہوں گا" جمو نے ضد کرتے ہوئے کہا "ابا تم بھیک مانگنا کیوں نہیں چھوڑ دیتے۔ محنت مزدوری کیا کرو۔ چلو تم تو بوڑھے ہو۔ بھائی کو کیا ہے۔ جوان ہے۔ محنت کر کے پیسے کیوں نہیں کماتا۔"

"جمو میں تجھے مار دوں گا" فتو غصّے سے بولا۔

"چپ کر کے بیٹھ فتو!" بابا خیرو بولا "جمو اس وقت تو روٹی کھالے ورنہ بھوکا مر جائے گا۔"

"بابا! میں بھیک میں مانگی ہوئی روٹی نہیں کھاؤں گا چاہے مر ہی کیوں نہ

Scanned by CamScanner

جاؤں؟"

"چل تو ہی بتا جمو! بھیک مانگنا چھوڑ کر ہم کیا کریں۔ ہم تو ان پڑھ ہیں۔ ملازمت ملے گی نہیں۔" بابا خیرو نے اپنے لاڈلے بیٹے کی جھڑکیاں سن کر ہتھیار ڈال دیے۔

"ابا کاروبار کر لو" جمو نے خوشی سے کہا۔

"بیٹا کاروبار شروع کریں لیکن پیسہ کہاں سے لائیں گے" اماں بھی بول پڑی تھیں۔

"اماں! کل ہی تو ابا کہ رہا تھا کہ اکیس ہزار روپے جمع ہو گئے ہیں۔ ان سے کاروبار شروع کر دو" جمو بولا۔

"پھر میری شادی کیسے ہو گی؟"

"چپ کر۔ تیری شادی بھی ہو جائے گی۔ ٹھیک ہے بیٹا جمو! اب تو روٹی کھا لے۔ اب ہم بھیک مانگنا چھوڑ دیں گے۔ بس اب تو تو خوش ہے؟"

"بابا! میرے پیارے بابا!" جمو خوشی سے بابا خیرو سے لپٹ گیا۔

پھر بابا خیرو نے دوسرے شہر میں جا کر ایک دکان کھول لی۔ اس کا نام جمو کے نام پہ رکھا، جمشید جنرل سٹور۔ اس طرح اس نے شریفانہ زندگی کا آغاز کیا۔ اپنے ماضی کو بھول کر بالکل اجنبی لوگوں میں۔ کچھ دن کے بعد فتو بھی راضی ہو گیا کیونکہ کاروبار میں اُسے بہت نفع نظر آیا۔

دس سال گزرنے کے بعد اب کوئی بھی نہیں جانتا کہ یہ بابا خیرو ہے جو کبھی بھیک مانگا کرتا تھا۔ وہ تو اب شہر کا مشہور سیٹھ خیر الدین ہے۔ جس کے دو بیٹے ہیں۔ فتح الدین اور جمشید الدین۔ فتح الدین کاروبار میں باپ کی مدد کرتا ہے جب کہ جمشید الدین ملک کے مشہور کالج میں پڑھتا ہے۔

سب سے بڑا انسان وہ ہے جس نے انسانوں کی سب سے زیادہ خدمت کی۔

چھوٹا بھائی

زیب النساء علیم

ہمارا چھوٹا بھائی خرم گھر میں شریر مشہور ہے۔ شکل و صورت سے معصوم
ر ایسا معصوم کہ بس۔ اب کسی کو کیا معلوم کہ صاحبزادے شرارت کے پلندے
ں۔ اور تو اور سونے پہ سہاگا یہ کہ بڑے ندیدے اور چٹل خور واقع ہوئے ہیں۔
ہمارے بھائی جان نے ہم سب کو سپاری کھانے سے منع کیا ہے اور
ختی سے پابندی لگا دی ہے کہ کوئی بھی نہ کھائے۔ کل ہی کی بات ہے کہ ہم
نے اپنی چھوٹی بہن صوفیہ کو پچاس پیسے دیے اور کہا کہ دو سپاریاں لے آؤ۔
ک تمھاری اور ایک ہماری۔
جب صوفیہ صاحبہ سپاری لے کر آئیں تو پیچھے پیچھے خرّم صاحب بھی
شریف لے آئے۔ ہم نے صوفیہ کو پیچھے والے کمرے میں آنے کا اشارہ کیا

Scanned by CamScanner

تو صوفیہ کے ساتھ ساتھ یہ بھی وہاں پہنچ گئے۔ ہم سمجھ گئے کہ ان صاحب نے سپاری دیکھ لی ہے اور اب کھانے کے لیے آ رہے ہیں"۔ خرم کو ہم سپاری ہرگز نہیں دیں گے"۔ ہم نے دل میں سوچا۔ "خود جب سپاری کھائیں گے اور ہم نے ذرا سی مانگ لی تو جھٹ کہہ دیں گے۔ مانگنے کا شوق ہے تو باہر جا کر مانگو"۔ اب آپ ہی بتائیے۔ ان کی اس بات پر ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔

"لو صوفیہ! ایک سپاری تم لے لو" ہم نے اپنی سپاری کھولتے ہوئے کہا۔

صوفیہ نے خوشی خوشی سپاری لے لی اور خرم صاحب جل گئے۔

"زیبی باجی! مجھے بھی سپاری دیجیے"۔

"نہیں ہم نہیں دیں گے" ہم نے صاف انکار کر دیا۔

"میں بھائی جان سے کہہ دوں گا" خرم نے دھمکی دی۔

"جاؤ جا کر کہہ دو" ہم نے پروا نہیں کی۔ مگر دل میں یہ بھی سوچا کہ اگر ان صاحب نے شکایت کر دی تو میں ان کی شکایت کر دوں گی۔ وہ بھی اس لیے کہ یہ صاحبزادے صرف ڈرتے بھی ذوالفقار بھائی سے تھے۔

"میں ابھی جا کر کہتا ہوں" خرم نے آخری وارننگ دی۔

"مگر بھائی جان تو سو رہے ہیں" ہم نے خرم کو بہلانا چاہا۔ کیوں کہ ان صاحب کے مزاج کا معلوم نہیں تھا کہ کب کہہ دیں۔

"میں جا رہا ہوں" خرم نے کمرے سے نکلتے ہوئے کہا۔

"جاؤ" ہم نے کہا۔

جب ہم نے دیکھا کہ خرم بھائی جان کے کمرے کی طرف جا رہا ہے اور صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ شکایت ضرور کرے گا۔ بس اب اندر جانے کی دیر ہے۔ یہ دیکھ کر ہم نے آواز دی۔

"خرم! او خرم کے بچے! ادھر آ۔ میں تمھیں دوں" ہم سپاری دینے کا نام لے نہیں سکتے تھے کیوں کہ آواز بھائی جان تک پہنچ جاتی اور ہم پکڑے جاتے مگر یہ خرم ہی کیا جو مان جائے۔ خرم نفی کا اشارہ کرتے ہوئے کمرے میں گھس گیا۔

Scanned by CamScanner

ہم نے بھی اُن کے پیچھے کمرے میں جھانکا تو دیکھا کہ بھائی جان سو رہے ہیں اور خرم بھائی جان کا ہاتھ ہلا رہا ہے اور کہہ رہا ہے "بھائی جان! اُٹھیے دیکھیے زیبی باجی سپاری کھا رہی ہے۔"

"اور تم کو نہیں دے رہی ہے" ہم نے اپنے دل میں کہا۔

خرم نے جو ہم کو کمرے میں جھانکتے دیکھا تو ہم کو سُنانے کے لیے زور سے کہا "بھائی جان! زیبی باجی اور صوفیہ نے سپاری کھائی ہے۔"

یہ سُن کر ہم وہاں سے کھسک لیے۔

ہم امّی جان کے کمرے میں آ گئے۔ جہاں غزالہ، سعدیہ، عامر بیٹھے ہوئے کسی موضوع پر بڑے جوش و خروش سے باتیں کرنے میں مصروف تھے۔ ہم ہاتھ ملتے ہوئے صوفے پر بیٹھ گئے۔

"خرم بہت بدتمیز اور چُغل خور ہے" ہم نے اپنا مُنھ دکھایا جب کہ رو رو کے مارے جان ہوا جا رہی تھی۔

"کیوں؟ کیا کر دیا خرم نے" غزالہ ہماری طرف متوجہ ہوئیں۔

ہم نے مختصر الفاظ میں ساری بات انھیں بتا دی۔ "اب کیا کیا جائے؟"

Scanned by CamScanner

ہم نے مشورہ چاہا۔
"آپ بھائی جان سے کہہ دیجیے گا کہ اُس نے سپاریاں نہیں منگوائیں بلکہ
بیگ کی صفائی کرتے ہوئے نکلی تھیں۔"
"ہاں ٹھیک ہے" ہم نے تائید کے انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔
"جی نہیں۔ ہم نے سب سُن لیا ہے" خرم کی آواز آئی۔
"کیا سُن لیا" ہم نے جاننا چاہا۔
"سب کچھ" خرم مسکرایا۔
"یہاں کیوں آئے ہو" میں نے پُوچھا۔
"آپ کو بھائی جان بُلا رہے ہیں"
"کیوں؟ ہم نے انجان بنتے ہوئے کہا۔
"مجھے نہیں معلوم" خرم کے چہرے سے ہنسی پھوٹی پڑ رہی تھی۔
"جی بھائی جان!" ہم نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔
بھائی جان نے بند آنکھیں کھول کر ہمیں دیکھا "ہوں"
بھائی جان کے بولنے سے پہلے خرم نے کہا "بھائی جان! زیبی نے
صوفیہ سے دو سپاریاں منگوائیں ہیں"
"بھائی جان! یہ جھوٹ بولتا ہے۔ وہ تو ہم نے اپنے بیگ کی صفائی
کی تھی تو اس میں سے نکلی تھیں" ہم نے خرم کو گھورا۔
بھائی جان اُٹھ کر بیٹھ گئے اور کہا "مجھے پہلے یہ بتاؤ کہ جھوٹ کون بول
رہا ہے؟" بھائی جان نے ہم دونوں کو دیکھا۔
"بھائی جان! زیبی باجی جھوٹ بول رہی ہیں۔ میں نے خود صوفیہ کو
سپاری لاتے دیکھا تھا" خرم نے جھٹ کہہ دیا۔
"وہ تو میں نے دیکھا تھا۔ مگر میں دیکھنا چاہتا تھا کہ زیبی سچ بولتی ہے یا
جھوٹ" بھائی جان نے غصّہ ضبط کیا۔
ہماری تو جان ہی نکل گئی اور ہم نے دل ہی دل میں غزالہ کو کوسا کہ کم بخت

Scanned by CamScanner

نے مشورہ کیسا خراب دیا کہ پکڑا گیا۔

"اب بتاؤ تمھارے لیے کیا سزا تجویز کروں؟" بھائی جان نے فیصلہ ہم پر چھوڑ دیا۔

خرم صاحب مسکرا رہے تھے۔ اس وقت جی چاہ رہا تھا کہ خرم کو خوب پیٹوں مگر یہ ناممکن تھا۔ کیوں کہ چھوٹے ہم ہی تھے اس لیے یہ خیال صرف خیال رہا۔ عمل میں نہیں آسکا۔

"بھائی جان! اب نہیں کھاؤں گی" ہم نے صفائی چاہی۔

"جاؤ" بھائی جان نے ہاتھ سے جانے کا اشارہ کیا۔

شام کو خرم صاحب لان میں بیٹھے تھے۔ ہم نے خرم کے گال پر چٹکی لیتے ہوئے کہا:

"خرم سپاری کھاؤ گے؟"

"ہاں! ضرور کھاؤں گا۔"

خرم نے چٹکی کا نوٹس نہیں لیا ورنہ اگر کوئی دوسرا موقع ہوتا تو زور سے کہتا: کیا ہے؟

"مگر خرم بھائی جان نے منع کر رکھا ہے" ہم مسکرائے "اگر بھائی جان کو معلوم ہو گیا تو....." ہم نے جان بوجھ کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"تو کیا ہوا میں آہستہ آہستہ دروازہ کھولوں گا" خرم نے باقاعدہ کچھ ایکٹنگ کی۔

ہم نے بڑی مشکل سے ہنسی کا گلا گھونٹا "پھر کیا ہوگا؟"

Scanned by CamScanner

"پھر میں اور صوفیہ جا کر سپاری لائیں گے اور میں اور آپ آدھی آدھی کھائیں گے" خرم کی آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں۔

"چلو بھائی جان کے پاس" ہم نے خرم کو پکڑتے ہوئے حکم دیا۔

"کیوں؟" خرم نے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی۔

"اس لیے کہ تم سپاری لینے جا رہے ہو"

"جی نہیں۔ میں کب گیا تھا۔ میں بھائی جان سے کہوں گا کہ بھائی جان پہلے زیبی باجی نے مجھ سے کہا تھا کہ سپاری کھاؤ گے۔ پھر آپ کی پٹائی ہوگی" خرم نے ایک ہی سانس میں سب کہ دیا۔

ہم نے اپنا منصوبہ چوپٹ ہوتے دیکھ کر ان کا بازو چھوڑ دیا اور کہا:

"بھاگ جاؤ۔ جاؤ ہم نے معاف کیا" ہم اور کر بھی کیا سکتے تھے۔

ماں

- ماں سے ہمدردی کی توقع رکھنے کی بجائے ماں کا ہمدرد ہونا چاہیے۔
- اگر دنیا آنکھ ہے تو ماں اس کی بینائی۔ اگر دنیا پھول ہے تو ماں اس کی خوش بو ہے۔
- ماں کا پیار سب سے خوب صورت اور بہترین ہوتا ہے۔
- اس بات سے ہمیشہ ڈرو کہ ماں نفرت یا بددعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔
- ماں کی محبت حقیقت کی آئینہ دار ہوتی ہے۔
- دنیا کی سب سے حسین شے ماں اور پھر ماں ہے۔

(میمونہ گل۔ راولپنڈی)

Scanned by CamScanner

آفتاب عالم خان۔ کراچی

وہ کون تھا؟

یہ واقعہ شاید 1955ء کا ہے۔ میری عمر ان دنوں تقریباً نو یا دس برس تھی۔ پاکستان بننے کے بعد ہم لاہور آ گئے تھے۔ لاہور میں ابا جان نے مختلف جگہ کام کیا لیکن جم کر کہیں بھی کام نہ کر سکے۔ آخر ابا جان نے کراچی آنے کا فیصلہ کیا۔ کراچی میں میرے تایا رہتے تھے۔ تایا جان کا گھر چھوٹا سا تھا۔ اس لیے دوسرے دن ہی ابا جان نے رہائش کے لیے مکان کی تلاش شروع کر دی۔ کٹرک روڈ پر بڑی مشکل سے ایک مکان کرائے پر ملا لیکن ابھی ہم وہاں جانے کی تیاریاں ہی کر رہے تھے کہ مکان کی چھت گر گئی۔ ہم نے خُدا کا شکر کیا۔ ورنہ آج ہم زندہ نہ ہوتے۔

ایک ہفتے تک مکان کی تلاش جاری رہی۔ ایک دن ابا جان خُوشی خُوشی

Scanned by CamScanner

گھر لوٹے اور خوش خبری سنائی کہ بندر روڈ پر ایک وسیع کوٹھی کرائے پر مل رہی ہے۔
امی جان نے حیران ہو کر ابا جان سے کہا "کوٹھی؟ ارے کوئی مکان دیکھو
کوٹھی کا کرایہ کہاں سے ادا کریں گے"
ابا جان نے ہنس کر کہا: "ارے کرائے کا مسئلہ تو پہلے ہی حل ہو چکا ہے۔
جب ہی تو وہ کوٹھی کرائے پر لے رہا ہوں"
امی نے ناک پر ہاتھ رکھ کر بھویں سے کہا "کیا بندوبست کیا ہے؟"
ابا جان نے ہنس کر کہا "کوٹھی کا کرایہ صرف گیارہ روپے ماہانہ ہے"
"کیا...؟" تایا جان، بھائی جان، امی جان، تائی اماں سب حیران رہ گئے۔
تایا جان نے حقہ گڑگڑاتے ہوئے کہا "سوچ لو سیف الدین خان صاحب کوٹھی کا کرایہ کم از کم اس دور میں سو روپے ہے" تایا جان نے "خان صاحب" پر خاص طور پر زور دیا تھا۔
ابا جان نے کہا "بھائی جان! کوٹھی کا کرایہ اتنا کم لینے کی وجہ بھی ہے۔
وہ وجہ یہ ہے کہ یہ کوٹھی آسیب زدہ ہے۔ یہ بات آس پاس مشہور ہے"
"ایں...؟" تایا جان اور سب گھر والے خوف زدہ ہو کر بولے۔
ابا جان نے پگڑی اتارتے ہوئے، ماتھے پر سے پسینا پونچھا اور کہا:
"گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ آسیب وآسیب سب بکواس ہے۔ لوگ خواہ مخواہ بات کا بتنگڑ بنا لیتے ہیں۔
اور پھر — دوسرے دن ہم اس کوٹھی میں منتقل ہو چکے تھے۔ کوٹھی کیا تھی، محل تھا۔ کوٹھی کے وسیع لان اور صحن کے علاوہ اس میں برآمدہ اور سات کمرے تھے۔ باورچی خانہ، غسل خانہ غرض تمام سہولتیں تھیں۔ ہمارا سامان زیادہ نہ تھا۔ باورچی خانے میں آٹے کا کنستر، نمک، مرچ وغیرہ رکھ دیا گیا۔
ہم کل تین بھائی تھے۔ سب سے چھوٹا میں تھا۔ ابا جان اور امی کو ملا کر ہم کل پانچ افراد تھے۔ ہم نے ایک ایک کمرہ سنبھال لیا۔

Scanned by CamScanner

ہم سب آباجان کے کمرے میں جمع ہو گئے۔ آباجان سب کو ہدایات دے رہے تھے۔ "گھبرانے اور ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ اگر کوئی ایسی ویسی بات ہو تو فوراً مطلع کریں۔"

دوپہر کا وقت تھا۔ سب کے پیٹ میں چوہے دوڑ رہے تھے۔ امی جان روٹی پکانے کی غرض سے باورچی خانے کی طرف چلیں۔ ہم تینوں بھائی اسد کے کمرے میں جمع ہو گئے۔ آباجان کتاب پڑھنے لگے۔

اچانک ایک زوردار چیخ نے ہم سب کو خوف زدہ کر دیا۔ صاف ظاہر تھا کہ یہ چیخ امی جان کی ہے۔ ہم تینوں بھائی باورچی خانے کی طرف دوڑے۔

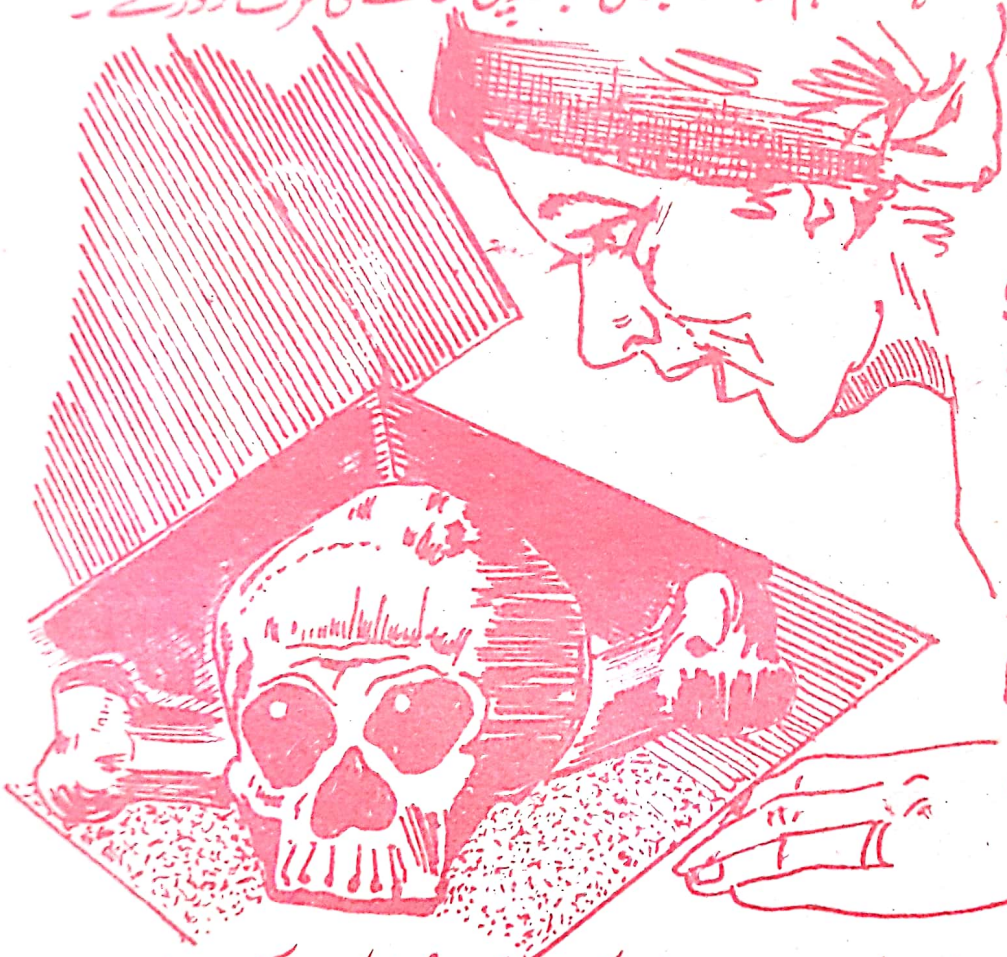

آباجان وہاں ہم سے پہلے پہنچ چکے تھے۔ امی خوف زدہ کھڑی تھیں اور اُن کی نظریں آٹے کے کنستر کی طرف لگی ہوئی تھیں۔

اسد آٹے کے کنستر کی طرف بڑھا۔ اس نے کنستر میں جھانکا اور پھر چیخ مار کر وہاں سے ہٹ گیا۔

آباجان نے کنستر کو اُلٹ دیا۔ مجھے آج تک یاد ہے کہ کنستر کے اُلٹتے ہی کنستر میں سے بڑی مقدار میں خون اور ایک انسانی کھوپڑی اور چند ہڈیاں باہر نکل کر زمین پر گر پڑیں۔

آباجان کے علاوہ ہم سب بُری طرح خوف زدہ ہو گئے۔ آباجان سمیت

Scanned by CamScanner

ہم باورچی خانے سے فوراً باہر نکل آئے۔ ابا جان نے فوراً باورچی خانے کا دروازہ بند کر دیا۔ ہم سب حیران پریشان ابا جان کے کمرے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اچانک ہم سب کی چیخیں نکل گئیں۔ ابا جان کا کمرہ دھڑا دھڑ جل رہا تھا۔

ہم لوگ ابھی پریشان کھڑے ہی تھے کہ اچانک برآمدے میں خون کی بارش ہونے لگی۔ ہم سب کی چیخیں نکل گئیں۔ اچانک ایک گھمبیر سی آواز نے ہمیں کانپنے پر مجبور کر دیا:

"سیف الدین ... آجا ... سیف الدین ... تجھے تیری قبر بلا رہی ہے ... آجا ... سیف الدین" یہ بین کرتی آواز سن کر ہمارے ہوش اڑ گئے۔

ابا جان نے چند لمحے سوچا اور پھر ہمت کر کے پوچھا "کون ہو تم؟ کون ہو؟"

ہلکا سا قہقہہ سنائی دیا اور آواز آئی:

"سیف الدین ... تمہاری موت ... موت ... موت!"

ابا جان نے گھبرا کر چیختے ہوئے کہا "سامان باندھو، سامان، نکل چلو یہاں سے"

اور بیس منٹ بعد ہی ہم کوٹھی سے نکل رہے تھے۔

جسے اللہ رکھے .....!

کوہاٹ کی ایک مسجد کا مؤذن صبح کی اذان دے رہا تھا کہ کہیں سے ایک سانپ برآمد ہوا۔ مؤذن اذان دیتا رہا اور زہریلا سانپ مؤذن کو ڈستا رہا۔ جب اذان ختم ہوئی تو سانپ مؤذن کے قدموں میں ڈھیر ہو چکا تھا اور مؤذن کو سانپ کے ڈسنے سے کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا۔

(محمد اسلام۔ لاہور)

Scanned by CamScanner

ہمارا کیا قصور

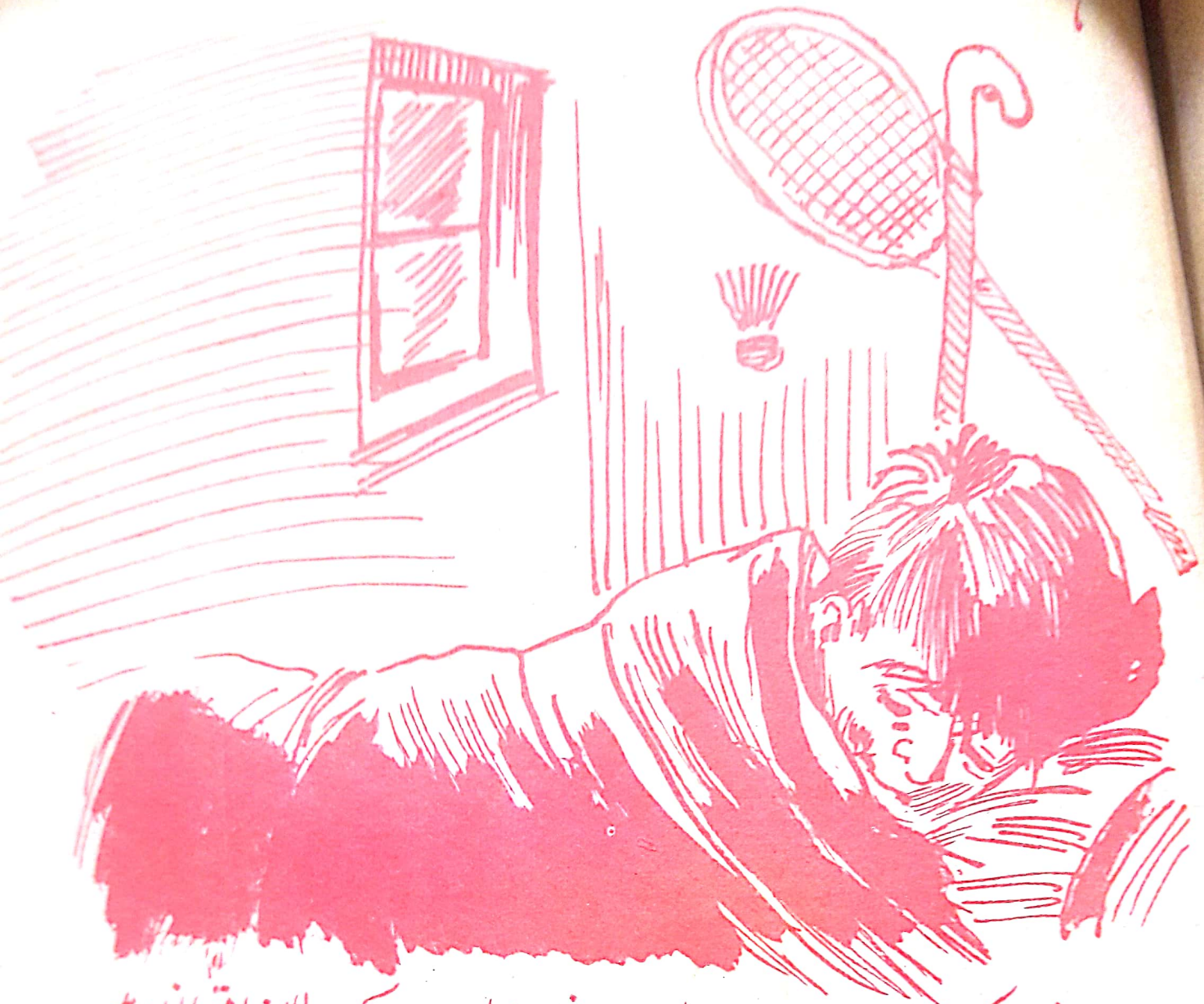

یہ ان دنوں کی بات ہے جب ہمارے نویں جماعت کے سالانہ امتحانوں میں ایک ہفتہ باقی تھا اور ہمارا دماغ نصاب سے اس طرح خالی تھا۔ جس طرح نلکے سے پانی۔ اور یہ کچھ مصروفیات کی وجہ سے تھا۔ اب آپ پوچھیں گے۔ یہ مصروفیات کیا تھیں۔ تو جی! کھانے، سونے اور کھیلنے سے بڑھ کر اور کون سی دوسری مصروفیات ہو سکتی ہیں۔

جیسے جیسے امتحانات قریب آتے جا رہے تھے، ویسے ویسے ہمارا سکون حرام ہوتا جا رہا تھا۔ بقول ہماری امی کے ہم رات کو نیوٹن کے حرکت کے قوانین سونے

Scanned by CamScanner

میں دہراتے جا رہے تھے اور میر تقی میر کی شاعری پر بھی تبصرہ کرتے جاتے تھے۔
اب یہ الگ بات ہے کہ گھر کے دوسرے افراد ہماری شخصیت پر تبصرے
رات کرتے رہتے تھے جن کو یہاں دہرانا کچھ اچھا نہیں لگتا۔
تو جناب! ایک دن ہم بیٹھے حساب کے سوال حل کر رہے تھے کہ ہمارے
دروازے پر دستک ہوئی۔ دروازہ کھولنے پر پتا چلا کہ ہمارے دوست مبشر صاحب
کھڑے تھے۔ وہ ہمیں عید کی پیشگی مبارک دیتے ہوئے کمرے میں آ گھسے۔ پوچھنے پر
پتا چلا کہ ان کا پڑھنے کا پروگرام تھا اور وہ بھی ہمارے ساتھ۔ ہم بڑے خوش ہوئے
کہ "خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دو دیوانے"۔
ابھی چچا غالب کی غزلیں لے کر بیٹھے ہی تھے کہ دروازے پر دستک ہوئی اور پتا
چلا کہ چھت پر "مستقبل کے کرکٹروں" کی گیند آئی ہے۔ چھت پہ گئے اور گیند ڈھونڈ
کر کرکٹروں کو دی۔ نیچے پہنچے تو بلی بیگم بڑے آرام سے چچا غالب کے سری پائے
بنانے میں مصروف تھیں۔ ہم نے یہ دیکھ کر سر پیٹ لیا۔
بہرحال سوچا گیا کہ کسی دوسرے مضمون کی تیاری کی جائے کیوں کہ اردو کی
تیاری کچھ اچھے طریقے سے نہیں ہوئی تھی لیکن ایک اور بڑا مسئلہ پیش آ گیا اور وہ یہ
کہ اب کون سے مضمون کی طرف نظرِ کرم کی جائے۔
اس بحث میں ایک گھنٹا لگ گیا اور پھر مبشر صاحب نے مشورہ دیا کہ اور
بحث سے دماغ پہ بوجھ پڑ جائے گا۔ اس لیے باہر جا کر ریسٹ کی جائے۔ ہم نے
اس مشورے کی پُرزور تائید کی اور ہم دونوں باہر چلے گئے۔
ایک گھنٹے کے بجائے جب ہم دو گھنٹے کے بعد گھر میں داخل ہوئے
تو آخر کار فزکس کی طرف نظرِ کرم کی گئی لیکن جب لکھنے کے لیے قلم نکالے گئے تو
پتا چلا کہ گھر میں روشنائی ہی موجود نہیں۔ پاؤں پٹختے ہوئے بازار کی طرف رواں
ہو گئے۔ لیکن بازار پہنچنے پر یہ دیکھ کر پیروں تلے سے زمین نکل گئی کہ سب دکانیں
بند ہیں۔ اپنی قسمت پر بے اختیار رونا آیا اور اب مبشر صاحب کے گھر کی طرف
رواں دواں ہوئے کہ روشنائی وہیں سے لی جائے۔

Scanned by CamScanner

یہ کام نپٹا کر کے گھر پہنچے اور پڑھائی کی طرف متوجہ ہوئے۔ ابھی مشکل سے
پڑھتے ہوئے پندرہ منٹ ہوئے ہوں گے کہ کمرے کا بلب داغِ جدائی دے
گیا۔ اس نامعقول کے بے وقت فیوز ہونے پر سخت غصہ آیا اور ابھی گھر سے
نکلے ہی تھے کہ یہ بات سُن کر پیروں تلے سے زمین نکل گئی کہ ظالم بجلی بھی داغِ جدائی
دے گئی۔ بس واپڈا والوں کی اس کرم نوازی پر بہت غصہ آیا۔

غرض جب بتی آئی، اس وقت ہمارا پسندیدہ پروگرام شروع ہو گیا تھا۔ اس لیے کتابیں ایک بار پھر ہماری بے رُخی پر گلے شکوے کرتی رہ گئیں۔ جب پروگرام ختم ہوا تو رات بہت بیت چکی تھی۔ لہٰذا مبشر صاحب اپنے گھر کو چل دیے۔

تو دوستو! یہ تو تھیں ہمارے ایک دن کی مصروفیات، باقی دنوں کا ذکر نہ ہی کیا جائے تو بہتر ہوگا اور امتحان کے نتیجہ کے بارے میں تو سوچیے گا بھی نہیں۔ صرف اتنا بتا دیتے ہیں کہ ہم دونوں آج تک اپنے امتحان کے نمبروں کو استادوں کی نالائقی اور قسمت کی بے وفائی سمجھتے ہیں۔

اب صرف آپ سے یہ پوچھنا چاہیں گے کہ ایسا نتیجہ آنے میں ہمارا کیا قصور؟

ہماری داستان سننے کے بعد یہ فیصلہ آپ لوگ انصاف سے کیجیے۔

Scanned by CamScanner

تاج الدین طلیش

مستری بشارت

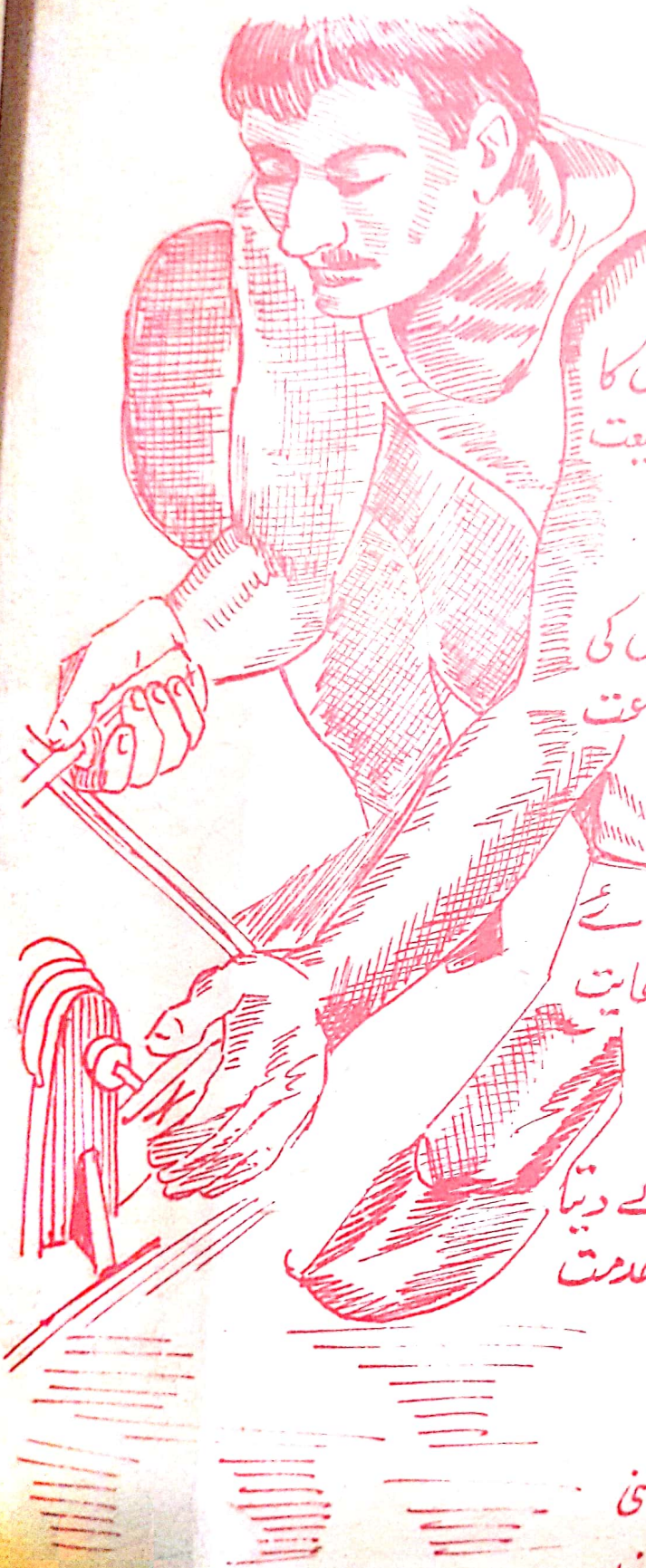

وہ تنویر آباد والا "بشارت"
جو کرتا ہے بائیسکلوں کی مرمّت
اگرچہ بہت رنگ کالا ہے اُس کا
مگر دل کا اچھّا ہے اور خوش طبیعت
زباں، دانت، لب سرخ رہتے ہیں اس کے
اسے پان کھانے کی ہے اتنی عادت
ہے مسجد کے نزدیک دکّان اُس کی
نمازیں وہ پڑھتا ہے سب باجماعت
ہنساتا ہے سب کو لطیفے سُنا کر
کبھی بن کے دانا ہے کرتا نصیحت
کبھی گاہکوں کو پلاتا ہے چائے
کبھی کھول کر دل، ہے کرتا رعایت
شرارت کرے اس کا شاگرد کوئی
تو کرتا ہے خوب اس کی اُٹھ کر مرمّت
ہوا ٹائروں میں ہے خود بھر کے دیتا
سمجھتے ہوئے قوم کی ایک خدمت
خریدار "جنگ" اور "مشرق" کا ہے وہ
ہے پڑھ پڑھ کے جن کو بڑھاتا لیاقت
کرے کیوں نہ طلیش اس کی تعریف اتنی
وہ لیتا نہیں جس سے پنکچر کی اُجرت

Scanned by CamScanner

وہ ہنسی آئی

ایک شخص میٹھی گولیوں کے پیکیٹ فروخت کرتا تھا۔ ایک خدا ترس خاتون ہر بار اُسے پچاس پیسے دے دیتی لیکن پیکیٹ نہ لیتی۔ ایک روز اُس خاتون نے عادت کے مطابق پچاس پیسے دیے اور آگے چل دی۔

وہ شخص اس کے پیچھے لپکا اور کہنے لگا " محترمہ! معاف کیجیے۔ چینی مہنگی ہو جانے کی وجہ سے اب ان پیکٹوں کی قیمت 75 پیسے ہو گئی ہے۔

(نوین عزیز۔ اسلام آباد)

پھل والا: یہ سیب خالص کشمیر کے ہیں۔

گاہک: پھر تو یہ باسی ہوں گے۔ کیوں کہ کشمیر کافی دُور ہے۔

پھل والا: نہیں صاحب! ابھی ابھی باغ سے توڑ کر لایا ہوں۔

(عاشق شہزاد۔ کمالیہ)

ایک دن مُلّا نصر الدین نے چاہا کہ اخروٹ توڑ کر کھائیں۔ انھوں نے اخروٹ پر پتھر مارا تو وہ اُچھل کر غائب ہو گیا۔

مُلّا نے کہا " سُبحان اللہ! ہر چیز موت سے بھاگتی ہے۔

(طارق محمود بٹ۔ دینہ)

Scanned by CamScanner

اُستاد : "پانی پانی ہونا" کو جملے میں استعمال کرو۔

شاگرد : میری چھوٹی بہن نے میرے سر پہ پانی کی بالٹی انڈیل دی اور میں پانی پانی ہو گیا۔

(شاہد اقبال، گوجرانوالہ)

نوکر : حضور مجھے پانچ روپے دے دیں تاکہ میں اپنے والدین سے مل آؤں

مالک : تمھارے والدین کہاں ہیں؟

نوکر : جناب! اس وقت سینما میں فلم دیکھ رہے ہیں۔

(طارق بشیر)

انٹرویو لینے والا : پرانے زمانے کے لوگ لڑکیوں کو زندہ دفن کیوں کر دیتے تھے؟

انٹرویو دینے والا : وہ اپنی فطرت سے مجبور تھے۔

انٹرویو لینے والا : آج کل کے لوگ لڑائی جھگڑا کیوں کرتے ہیں؟

انٹرویو دینے والا : وہ اپنی عادت سے مجبور ہیں۔

انٹرویو لینے والا : مجھے افسوس ہے کہ آپ کامیاب نہیں ہوئے۔

انٹرویو دینے والا : آخر کیوں؟

انٹرویو لینے والا : میں اپنی عادت سے مجبور ہوں۔

(رُہما ثمر)

اُستاد : (شاگرد سے) بُلبل کا مذکر بتاؤ؟

شاگرد : جناب بُلبلہ۔

اُستاد : (ڈنڈا اُٹھاتے ہوئے) اور جمع؟

شاگرد : ابابیل۔

(طارق محمود عاصی۔ قادرپور راں)

اُستاد : قیامت کے دن زمین پھٹ جائے گی اور دُنیا اِدھر سے اُدھر ہو جائے گی۔

شاگرد : تو جناب! کیا اس دِن سکول سے چھٹی ہو گی؟

(حامد جاوید۔ لاہور)

مجھے اب تک یاد ہے

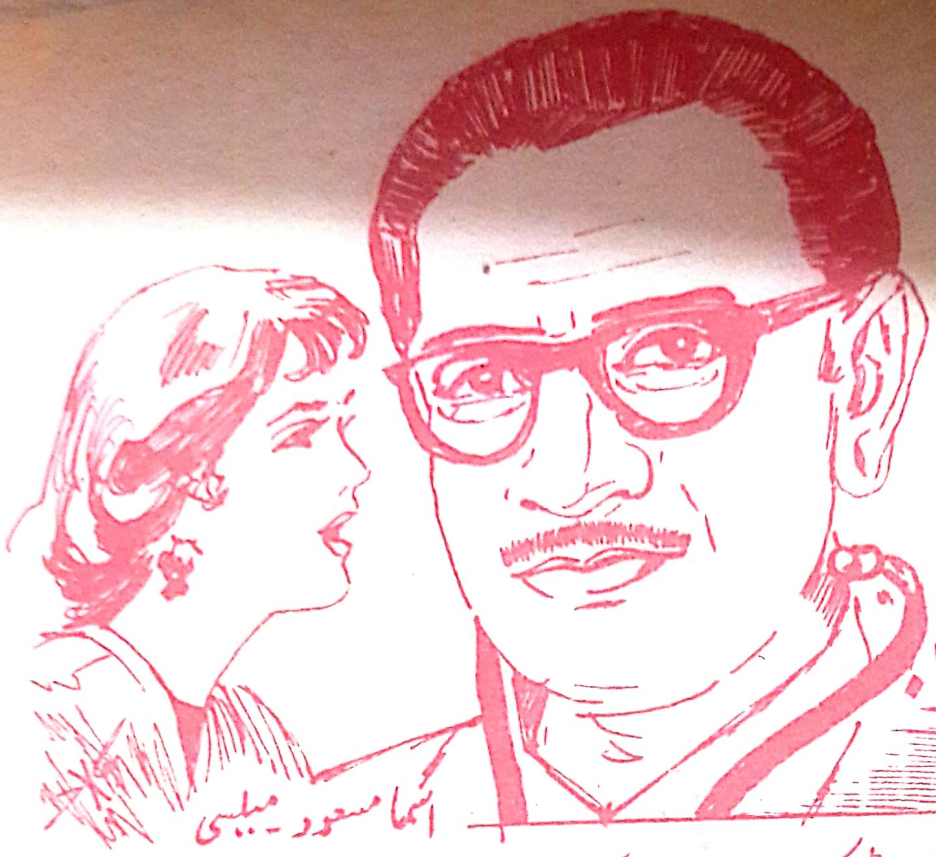

اسما مسعود۔ میلسی

مجھے کبھی ہسپتال میں ڈاکٹر سے معاینہ کروانے کا موقعہ نہیں ملا تھا۔ بس یہی سوچا کرتی تھی کہ یہ ڈاکٹر کتنے عظیم ہوتے ہیں۔ دن رات اپنے آرام کا خیال نہ کرتے ہوئے قوم کی خدمت کرتے ہیں۔

پچھلے دنوں میری آنکھوں میں جلن ہوتی رہتی تھی۔ میں بہت پریشان ہو گئی۔ کسی نے مشورہ دیا کہ کسی بڑے ہسپتال میں دکھاؤ تو بہتر ہے۔ میرے چچا زاد بھائی عادل کی آنکھیں بھی سُرخ ہوتی رہتی تھیں۔ چنانچہ اسے اور اپنی جان کو لے کر میں ہسپتال گئی۔ وہاں ۵۰ پیسے دے کر دو پرچیاں بنوائیں۔ ڈاکٹر صاحب ابھی نہیں آئے تھے۔ کیوں کہ ابھی آٹھ بجے تھے۔ ہم نے وارڈ اردلی کو پرچیاں دیں اور ڈاکٹر صاحب کی آمد کا انتظار کرنے لگے۔ جہاں ڈاکٹر صاحب بیٹھتے ہیں، وہ کمرہ بہت بڑا ہے۔ مریض وہیں بیٹھ کر ڈاکٹر کا انتظار کرتے ہیں۔

جناب وہ کمرہ کیا تھا۔ صرف تین بنچ رکھے ہوئے تھے اور جہاں ڈاکٹر صاحب بیٹھتے ہیں صرف وہیں ایک پنکھا رکھا تھا لیکن بند تھا۔ مریض فرش پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے پاس بچے بھی تھے جو گرمی سے بُری طرح رو رہے تھے۔

خُدا خُدا کر کے کوئی نو بجے ڈاکٹر صاحب تشریف لائے۔ آپ کو یقین نہیں

Scanned by CamScanner

آ سے گا۔ لیکن خدا گواہ ہے کہ وہاں بیٹھے ہوئے مریضوں کی باری بعد میں آ رہی تھی۔ کیوں کہ جو مریض آ رہے تھے، وہ شاید خاص قسم کے مریض تھے۔ کیوں کہ ڈاکٹر صاحب ان کو فوراً دیکھتے، دوائیں لکھتے اور وہ چلے جاتے۔

میرا تھا کرن تنگ آ گیا تھا۔ میں نے ایک لڑکی سے پوچھا "یہ کون لوگ ہیں۔ اور مریضوں کی باری کب آئے گی؟"

اسے شاید تجربہ تھا وہ بولی: "یہ وہ مریض ہیں جو بنگلے پر جا کر انھیں ۵۰ روپے فیس دے کر ان سے علاج کرواتے ہیں۔"

مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ انھیں گورنمنٹ تنخواہ بھی دیتی ہے۔ پھر بھی مریضوں سے یہ سلوک کرتے ہیں مگر کیوں؟ اور ڈاکٹر صاحب کوئی آدھ گھنٹے بعد مریضوں کو چھوڑ کر چلے گئے اور مریض انتظار کرنے لگے کہ ڈاکٹر صاحب "تازہ دم ہو کر پھر آئیں گے تو پھر توجہ دیں گے۔

خیر کوئی آدھ گھنٹے بعد پھر وہ آئے اور دو تین کمرے کے مریضوں کو دیکھا اور پھر وہی باہر والے مریضوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ میں نے وارڈ اردلی سے کہا "دیکھو ہم سب سے پہلے آئے تھے۔ اگر یہی سلسلہ ہے تو ہمیں ہماری پرچیاں واپس کر دو۔"

اس نے کہا "بس دو تین مریضوں کے بعد آپ کی باری آ جائے گی"

میں نے کہا "نہیں، ہمیں کام ہے۔ پرچی واپس کر دو۔"

ڈاکٹر صاحب بولے: "دے دو، دے دو۔ میں نہیں ڈرتا ان سے۔ یہ مجھے نہیں ڈرا سکتیں۔"

اور ہمیں ہماری پرچیاں واپس دے دیں۔ میں نے وہ وہیں پھاڑ دیں کہ اب ان کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ ہم اتنے بڑے ہسپتال سے بے مراد لوٹے اور پھر پرائیویٹ ڈاکٹر سے معاینہ کروانے چلے گئے۔

میری زندگی کا یہ واقعہ ایسا ہے کہ میں کبھی نہ بھول سکوں گی۔

Scanned by CamScanner

عفت زہرا خادر فیصل آباد

اس واقعے کو تقریباً پانچ سال گزر گئے ہیں لیکن یہ واقعہ مجھے اس طرح یاد ہے کہ جیسے کل ہی گزرا ہو۔

اس وقت میں تیسری جماعت میں پڑھتی تھی اور بہت شریر تھی۔ میری یہ عادت تھی کہ اکثر بڑوں کا کہنا ٹال دیا کرتی تھی۔ ہمارے ہمسایوں کے صحن میں جامن کا ایک بہت بڑا درخت تھا۔ جس کی ٹہنیاں ہمارے گھر کی چھت تک پہنچی ہوئی تھیں۔ گرمیوں کے دن تھے اور جامنوں کے پکے پکے گچھے چھت پر پہنچ رہے تھے۔ ہم نے دو تین مرتبہ جامنیں کھانا چاہیں لیکن امّی نے منع کر دیا۔ ہم بھی دل میں جامنیں کھانے کا عہد کر چکے تھے۔

ایک دن ہمیں موقع مل ہی گیا۔ گرمیوں کی دوپہر تھی۔ گھر کے تمام افراد سوئے ہوئے تھے۔ ہم جلدی سے چھت پر گئے اور جلدی جلدی جامنیں توڑنے لگے۔ جلدی میں ہمیں دھیان ہی نہ رہا کہ جامنوں پر بھڑیں بیٹھی ہیں۔ ہم نے جامن کے ایک گچھے پر ہاتھ مارا تو بھڑ نے ایسا زور کا کاٹا کہ ہمیں چھٹی کا دودھ یاد آ گیا۔

ہم بدحواسی کے عالم میں سیڑھیوں کی طرف دوڑے اور سیڑھیوں کو پھلانگتے ہوئے نیچے پہنچے۔ اتفاق سے امّی جان جاگ گئی تھیں اور ہمیں ڈھونڈ رہی تھیں۔ ہمیں جو انھوں نے چھت سے آتے دیکھا تو امّی جان کا پارہ چڑھ گیا۔ بس پھر کیا تھا امّی جان کی جوتی اور ہمارا سر۔

وہ دن اور آج کا دن ہم نے شرارتیں کرنے سے توبہ کر لی ہے اور اچھے بچے بن گئے ہیں۔ اب ہم کبھی جامنیں کھاتے ہیں یا دیکھتے ہیں تو ہمیں یہ واقعہ یاد آ جاتا ہے۔

دل ایک آئینہ ہے اگر بدی سے پاک ہے تو اس میں خدا بھی نظر آ سکتا ہے۔

Scanned by CamScanner

سنسنی خیز — حیرت انگیز — دل چسپ

انوشا کی آپ بیتی

مُحمّد یُونس حسرت کے قلم سے

انوشا ٹیکسلا کے راجا امبھی کا بیٹا تھا، لیکن اس نے راج محل کی بجائے ایک جوگی سارنگ بابا کے زیرِ سایہ پرورش پائی۔ سارنگ بابا نے اپنی کرامت کے زور سے اُسے فوقُ الفطرت اِنسان (سُپرمین) بنا دیا۔ وہ بہتے دریا پر چل سکتا تھا۔ آگ کے دہکتے ہوئے الاؤ میں سے یُوں گزر جاتا کہ بال تک بیکا نہ ہوتا۔ دُنیا کے جس کونے میں جانا چاہتا، پلک جھپکتے میں پہنچ جاتا۔

انوشا کی اس کہانی میں جہاں آپ خوف ناک سانپوں اور گھنے جنگلوں میں رہنے والے جوگیوں اور سادھوؤں کے حیرت انگیز واقعات پڑھیں گے، وہاں آج سے دو ہزار سال پہلے کی پاک و ہند کی تاریخ بھی، فلم کی طرح، آپ کے ذہن کے پردے پر گھوم جائے گی۔

اس ناول کے دس حصّے ہیں

- انوشا کشمیر میں
- انوشا اور راجا پورس
- انوشا اور سکندرِ اعظم
- انوشا اور چندر گپت موریا
- انوشا پاٹلی پتر میں
- انوشا نیپال میں
- انوشا کی واپسی
- انوشا امراوتی محل میں
- انوشا کا خواب
- انوشا عرب میں

فیروز سنز لمیٹڈ لاہور

Scanned by CamScanner

دِل چسپ اور عجیب

دُنیا کا سب سے بڑا ٹرک :

دُنیا کا سب سے بڑا ٹرک "سنو فریٹر" ہے جو کہ
میں سات سات فُٹ اُونچے 24 پہیّے ہیں۔ برفیلے م
لے جانے کے لیے اسی ٹرک سے کام لیا جاتا ہے۔

Scanned by CamScanner

Pause

سکتا ہے۔ تیز و تند ہواؤں، طوفان اور بارش میں جب دوسرے درختوں کی جڑیں اکھڑ جاتی ہیں تو اس درخت کی جڑیں چاروں طرف گھومتی رہتی ہیں اور اس طرح وہ درخت گرنے سے محفوظ رہتا ہے۔ مقامی لوگوں کے خیال کے مطابق وہ مقدس درخت ہے۔

(محمد آصف۔ کراچی)

خُدا کی قُدرت :

مانسہرہ میں ایک شخص نے ایک بینگن کاٹا۔ جس کے اُوپر "اللہ" اور بیج میں "محمدؐ" لکھا ہوا تھا۔

افریقہ میں ایک شخص تھا۔ جس کی آنکھ کی سفیدی میں نیچے کی جانب "محمد رسول اللہ" لکھا ہوا تھا۔

(طارق محمود بٹ۔ دینہ)

دِل کی جگہ برقی پمپ :

بوسٹن داسکہ 60 سالہ رابرٹ برنس ٹائین۔ ساڑھے تین برس اپنے دل کے بغیر زندہ رہا۔ ڈاکٹروں نے اس کے دل کی جگہ برقی پمپ لگا دیا تھا۔ جس کے ذریعے سے اس کے جسم میں خون کی گردش ہوتی رہی۔ اس دوران میں دِل کو درست کر کے سینے میں دوبارہ لگا دیا گیا۔

پیدائشی دانت :

فرانس کے بادشاہ لوئی چہار دہم کے دانت اس کی پیدائش کے وقت ہی موجود تھے۔

(محمود عالم۔ لطیف آباد، حیدر آباد)

Scanned by CamScanner

آپ بھی پوچھیے

س : لوگوں میں زیادہ محتاج کون ہے؟ (اکبر رضا شاہ۔ تلہ گنگ)

ج : جو اخلاق سے محروم ہے۔

س : میری کہانی تو چھپ گئی لیکن آپ نے جواب نہیں دیا۔ (ہما ثمر۔ گوجرانوالہ)

ج : کیا کہانی کا چھپ جانا ہی جواب نہیں ہے۔

س : میں پہلی بار حاضر ہو رہی ہوں۔ کیا آپ خوش آمدید نہیں کہیں گے؟ (نصرت حسن انصاری)

ج : ہم ہر بچے کو "خوش آمدید" کہتے ہیں۔

س : آپ رسالے میں کوئی سلسلہ وار کہانی کیوں نہیں چھاپتے؟ (محمد افضل، لاہور)

ج : بعض بچوں کی خواہش ہے کہ ہر شمارہ اپنی جگہ مکمل ہو۔

س : آپ ہمارے خط کا جواب کیوں نہیں دیتے؟ (فائزہ منظور۔ فیصل آباد)

ج : ہم ہر بچے کے خط کا جواب دیتے ہیں۔

س : امید ہے کہ اس بار مجھے نظر انداز نہیں کیا جائے گا۔ (عبدالرحمٰن ماتی۔ جھنگ)

ج : ہم تعلیم و تربیت کے کسی بھی پڑھنے والے کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔

س : نمک حرام درست ہے تو مرچ حرام کیوں نہیں؟ (اکرم تبسم۔ لاڑکانہ)

ج : ہلدی حرام کے بارے میں کیا خیال ہے؟

س : اگر کوئی شخص کسی سے نیکی کرے لیکن دوسرا برائی تو کیا کرنا چاہیے؟ (الطاف ندیم۔ لاڑکانہ)

ج : برائی کے باوجود نیکی کرنا بہت بڑی نیکی ہے۔

Scanned by CamScanner

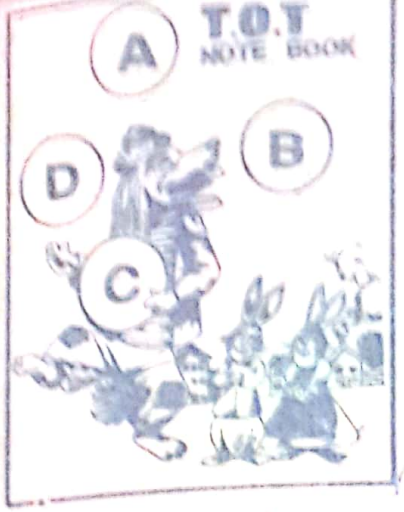

بچّوں کے لیے

فیروز سنز لمیٹڈ

کی نئی پیش کش

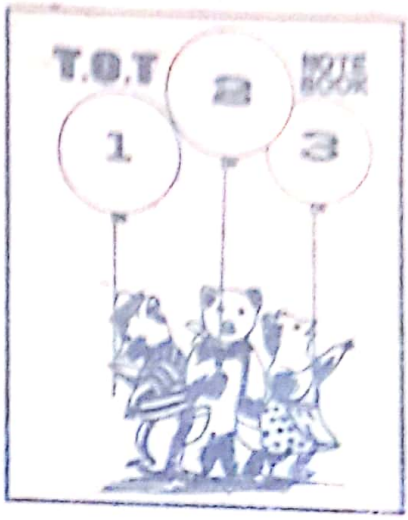

تعلیم و تربیت نوٹ بک

تین اقسام میں

ABC، اب پ اور 123

نرسری کلاس کے بچّوں کو ABC، اب ج اور گنتی سکھانے کے لیے فیروز سنز کی تعلیم و تربیت نوٹ بکیں انتہائی مفید ہیں۔

تعلیم و تربیت نوٹ بک کے ایک صفحے پر ABC اب ج یا گنتی دی گئی ہے اور دوسرے صفحے پر بچّے اسے دیکھ کر خود لکھیں گے۔

* چار رنگوں میں خوب صورت ٹائیٹل
* عمدہ کاغذ
* بچّوں کی پسندیدہ خوب صورت تصویریں
* مناسب قیمت

اپنے شہر کے ہر کتب فروش اور سٹیشنرز سے طلب کریں

Scanned by CamScanner

ہونہار ادیب

کیسے کیسے لوگ!

(روبینہ جبیں اصوابی)

یہ اُن دنوں کی بات ہے جب میری عمر تقریباً آٹھ سال تھی اور میں تیسری جماعت میں پڑھا کرتی تھی۔ اُن دنوں ہمیں گرمیوں کی چھٹیاں ہوئیں اور ہم یہ چھٹیاں گزارنے اپنی نانی امّاں کے ہاں سیالکوٹ گئے۔

ایک دن میں نے خالہ زاد بہن سے کہا جو میری ہم عمر تھی کہ میرے ساتھ ذرا سامنے والی دکان پر چلو۔ یہ دکان ہماری نانی امّاں کے گھر کے بالکل سامنے تھی۔ وہ جانے کے لیے راضی ہو گئی۔ ہم ٹافیاں خریدنے کے لیے اس دکان پر پہنچے تو دکان دار کہنے لگا کہ ٹافیاں ختم ہو چکی ہیں۔

Scanned by CamScanner

ہم ذرا آگے گئے اور وہاں سے ٹافیاں خریدیں۔ ہم جب ٹافیاں خرید کر گھر آرہے تھے ہم راستہ بھول گئے اور بڑے بازار کی طرف نکل گئے۔ چلتے گئے چلتے گئے۔ اب گھر سے کافی دُور نکل آئے تھے اِدھر کی سُنیئے کہ گھر میں ہماری گم شدگی سے کہرام سا مچ گیا تھا۔ گھر والوں نے پورے شہر میں ہماری گم شدگی کا اعلان کر دیا۔ اور سب ہمیں تلاش کر رہے تھے۔

ہاں تو ہماری بھی سُنیئے۔ ہم اسی طرح چل رہے تھے کہ سامنے سے ایک آدمی سائیکل پر بیٹھا چلا آرہا تھا۔

اُس نے جب ہمیں یوں اکیلے گھومتے دیکھا تو رُک گیا۔ سائیکل سے نیچے اترا اور بہت ہمارے متعلق پوچھنے لگا۔ ہم نے رو کر اُسے ساری بات بتا دی۔

چونکہ اُس آدمی نے دو لڑکیوں کی گم شُدگی کے بارے میں سُنا تھا تو اُسے یقین ہو گیا کہ یہی وہ لڑکیاں ہیں۔ اُس نے ہم دونوں کو سائیکل پر بٹھایا اور لوگوں سے پوچھتا ہوا ہماری نانی اماں کی گلی تک پہنچ گیا۔ اُس نے ہماری گلی میں موجود سب سے پوچھا کہ یہ بچیاں کس کی ہیں محلے والوں نے ہماری نانی اماں کے گھر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ ان کی دو بچیاں کھو گئی ہیں۔ اُس آدمی نے محلے والوں کی باتوں کا یقین نہیں کیا۔

اُس نے کہا کہ جس کسی کی بھی یہ بچیاں ہیں، وہ خود بچیوں کو لینے آئیں۔ چنانچہ خالہ اور امّی دونوں گھر سے نکلیں۔ دونوں کے چہرے دیکھ کر ہم کانپ گئے۔ کیونکہ اُن دونوں کا رو رو کر بُرا حال ہو رہا تھا۔

ہم اور ہماری خالہ زاد سائیکل سے اُترے اور دونوں سے لپٹ گئے۔ تب اُس شخص کو یقین آیا۔

سب نے اُس نیک آدمی کا شکریہ ادا کیا۔ جس نے ہمیں بخیریت اپنے گھر پہنچا دیا تھا۔ وہ آدمی تو ہمیں گھر چھوڑ کر چلا گیا اور ہم سوچتے رہ گئے کہ اگر یہ ہمیں نہ ملتا تو پھر کیا ہوتا۔ اس سے آگے ہم اور کچھ نہیں سوچ سکتے۔ آج جب کبھی یہ واقعہ یاد آتا ہے تو ہم بے اختیار سوچنے لگتے ہیں کہ دنیا میں جہاں بُرے آدمیوں کی کمی نہیں ہے، وہاں نیک لوگ بھی اس میں بستے ہیں اور یہ دُنیا اُنھی کے دم قدم سے چل رہی ہے۔

صاحب بہادر!

سیمیں رُخ (جہلم)

آپی! جمال بھائی آرہے ہیں جہلم سے عدنان گھر میں آتے ساتھ چلّایا! واقعی میں نے خوشی میں کتاب کو میز پر پٹختے ہوئے کہا پھر تو ہمارے وارے نیارے ہو جائیں گے۔ سچ جمال بھائی اتنی دل چسپ شخصیت ہیں کہ بس۔

اور ہاں آپ سے اُن کا تعارف تو ہو جائے۔ جمال بھائی ہمارے رشتے کے کزن ہیں یعنی وہ ہماری خالہ کی ساس کی کزن کی نند کے بھانجے ہیں۔ ماشاءاللہ کیا گلا پایا ہے اُنھوں نے۔ اتنا اچھا گاتے ہیں کہ اگر تان سین کی رُوح سُن لے تو یا رونا شروع کر دے یا تکلیف کے باعث چیخیں لگائے۔ جب بھی وہ آتے ہیں ہم رات گئے تک جاگتے رہتے ہیں۔ کبھی بیت بازی ہوتی ہے اور کبھی گانے کا مقابلہ، ہم بے سُروں کے مقابلے میں وہ ہمیشہ سبقت لے جاتے ہیں، ویسے شطرنج کھیلنے کے بارے میں ہم ہمیشہ سے اُن کے مدّاح رہے ہیں۔ بھلا ہو اُن کی اندرونی جیب کا جو اُنھیں بادشاہ، ملکہ اور وزیر کی گوٹیں چھپانے میں مدد دیتی ہے۔

بقول اُن کی بہن نازنین کے جمال بھائی اتنے بہادر ہیں کہ کبھی کسی سے نہیں ڈرتے اور بچھو سانپ کو تو وہ اپنے پاؤں تلے ایسے مسلتے ہیں جیسے کوئی چیونٹیوں کو، یہ سن کر ہم نے اپنے دانتوں تلے اُنگلیاں داب لیں۔ بھئی! حیرانگی کی بات ہے نا۔ اُس دن سے ہم جمال بھائی کے سچے دل سے معترف ہو گئے ہیں اور پڑھائی کے بارے میں عرض ہے کہ اُن کے پاس ایم بی بی ایف (میٹرک بار بار فیل) کی ڈگری ہے اور وہ گھر میں مکھیاں مارنے کا کاروبار کرتے ہیں۔

اور ابھی جب عدنان نے اُن کی جہلم سے آمد کی خبر سُنائی تو میں خوشی سے بے حال ہو گئی اور جلدی جلدی اُن کا کمرہ ٹھیک کرنے لگی۔ شام کو جمال بھائی ایک بیگ سمیت ہمارے ہاں تشریف لے آئے اور ہو گئیں گپیں شروع۔ عدنان تو بار بار اُن کے بیگ کی طرف دیکھتا کہ شاید پچھلی بار کی طرح وہ اس دفعہ بھی اُسی کے لیے ایک عدد پُرانے زمانے کا

Scanned by CamScanner

ایک ایگل پن اور دو عدد پنسلیں لے آئے ہیں۔ کچھ دیر کے بعد کھانے کا وقت ہو گیا۔ جمال بھائی پیٹ پر ہاتھ رکھ کر امّی سے بولے۔ آنٹی! بالکل بھوک نہیں۔ امّی یہ سن کر زیرِ لب مسکرائیں اور بولیں! بیٹے! تم اتنی دور سے آئے ہو۔ ہمارے مہمان ہو کچھ تو کھاؤ۔ یہ سُن کر جمال بھائی نے پلیٹیں صاف کرنی شروع کر دیں۔ ایک لقمہ منہ کے اندر تھا اور ایک اندر جانے کو بے تاب ہو رہا تھا۔

عدنان نے میرے کان میں سرگوشی کی، آپی! یہ تو کہہ رہے تھے کہ مجھے بھوک نہیں لیکن کھا تو اس طرح رہے ہیں جیسے دس دن کی بھوک ہڑتال کے بعد کھانا میسّر آیا ہو۔ خاموش! میں نے اس کی جانب گھورتے ہوئے کہا۔

اُس رات ہم تقریباً بارہ بجے تک جاگتے رہے۔ ہماری محفل برخاست ہوئے پندرہ بیس منٹ ہوئے ہوں گے جمال بھائی کے کمرے سے ایک فلک شگاف چیخ بلند ہوئی میں اور عدنان بھاگتے ہوئے گئے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ایک موٹا سا چوہا اُن کے پلنگ کے نیچے بیٹھا ہے اور جمال بھائی مسہری کے اُوپر کھڑے تھر تھر کانپ رہے ہیں۔ عدنان ایک دم چلّایا: مار دیں نا اِسے، آپ تو ابھی سانپ مارنے کا واقعہ سُنا رہے تھے۔ خاموش! میں نے غُصّے سے کہا اور جمال بھائی نے شرمندہ ہو کر نیچے منہ کر لیا۔ اس کے بعد میں نے اپنی جوتی سے چوہے کو باہر بھگا دیا اور جمال بھائی ہمیں شرمندگی سے دیکھتے ہوئے باہر چلے گئے۔ دوسرے دن وہ ہمارے گھر سے واپس چلے گئے۔ امّی نے مجھ سے بہت پوچھا کہ اُن کے جانے کی وجہ کیا ہے لیکن میں ٹال دیتی ہوں۔ اب یہ کیسے بتاؤں کہ سانپوں سے نہ ڈرنے والے صاحب بہادر چوہے سے ڈر گئے۔ اب ہمارا دل ہے کہ جمال بھائی دوبارہ ہمارے ہاں آئیں۔ ٹھہریئے وہ دیکھیے عدنان ہاتھ میں خط اُٹھائے میرے کمرے کی جانب آ رہا ہے شاید جمال بھائی کا ہو۔

ہائے ری قسمت

ایس ایس راز (لاہور)

آج جب میں نویں کلاس میں چڑھی ہوں تو ایک سال پہلے کا واقعہ میری آنکھوں کے

Scanned by CamScanner

سامنے پھر رہا ہے۔ میں نے سوچا کہ آپ کو بھی سناؤں کہ میرے ساتھ کیا ہوا تھا۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب میں نے ساتویں کا امتحان پاس کیا اور آٹھویں میں پہنچی تھی۔ وہ آٹھویں جماعت میں میرا پہلا دن تھا اس صبح سکول جانے کا تصوّر خوب بھا رہا تھا جیسے کوئی معرکہ سر کرنے جا رہے ہوں۔ سکول پہنچی تو سبھی کی بے تابیاں عروج پر تھیں۔ آخر خدا خدا کر کے گھنٹی بجی۔ دعا پہلے سے بھی کہیں زیادہ طویل معلوم ہوئی۔ جب اُوپر پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہاں آٹھویں کے بورڈ کا امتحان ہوا تھا جس کا فرنیچر نیچے پہنچانا تھا اور اپنا اُوپر لانا تھا۔ میں اور عائلہ مل کر سامان نیچے لے کر جاتے اور پھر دوسرا لے کر اُوپر آتے۔ سیڑھیوں پر سے سامان سمیت اُترنا اور چڑھنا بہت مشکل تھا۔ میرا گھٹنا زخمی ہو چکا تھا مگر کسے پڑی تھی۔ کمرہ ملنے کی خوشی میں ہم سب کچھ بھولے ہوئے تھے۔ آخر خدا خدا کر کے فرنیچر سیٹ ہوا۔ ہم نے جلدی سے دوسری قطار پر قبضہ جما لیا اور ابھی اطمینان کا سانس ہمارے مُنھ میں تھا کہ آٹھویں ڈی کی ٹیچر تشریف لائیں اور مُسکرا کر یُوں بولیں "آٹھویں بی آپ کو چھوٹا چوکیوں والا کمرہ ملے گا اور یہاں آٹھویں ڈی بیٹھے گی کیونکہ آپ کی کلاس میں لڑکیاں کم ہیں۔

"جی!" ہماری آنکھیں پھٹی کی پھٹی اور مُنھ کھلے کے کھلے رہ گئے۔ اس وقت ہمیں اپنی چوٹوں کا احساس ہوا۔ ہم روہانسے ہو گئے کہ اتنی محنت کے صِلے میں وہ منحوس کمرہ ہماری قسمت میں لکھا جا رہا تھا۔ اُوپر سے یہ ستم کہ اس میں باوا آدم کے زمانے کا ایک پھٹیچر قسم کا پنکھا لگا ہوا تھا، جس سے ہم یوں ہی بھلے تھے۔ آخر مرتا کیا نہ کرتا کے مطابق اُٹھے اور اس گھٹے گھٹے سے کمرے کی جانب چل دیے۔ کمرے میں چوکیاں بڑی نفاست سے لگائی گئی تھیں۔ مگر ہمیں سب کچھ زہر لگا۔

بوجھل قدموں سے آگے بڑھے۔ جگہ کی تلاش کے لیے نظریں دوڑا رہے تھے کہ عائلہ کی آواز آئی "شاذی! اِدھر آ جاؤ"۔ میں وہیں جا کر بیٹھ گئی۔ سب لڑکیاں مختلف انداز میں کمرے کے بارے میں اظہارِ خیال کر رہی تھیں۔ اچانک ہماری ایک کلاس فیلو نازاں نے پنکھا چلانا چاہا تو ہم پر یہ خوف ناک، ہیبت ناک، افسوس ناک،

Scanned by CamScanner

المناک اور وحشت ناک راز کھلا کہ پنکھا خراب ہے۔ اس سے پہلے کہ ہمارے رُکے ہوئے آنسو چھلک پڑتے۔ ہماری ٹیچر آگئیں۔ کوئی بات نہیں بچو صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔ یہ انھوں نے مسکرا کر کہا۔ اور ہم بے بسی سے ہونٹ کاٹ کر رہ گئے۔ پہلا پیریڈ انھی ہنگاموں کی نذر ہو گیا۔ باقی پیریڈ بھی ہم نے یونہی گزار دیے۔ چھٹی کے وقت ہم سوچ رہے تھے کہ ابتدا ایسی ہے، انتہا کیا ہو گی۔

محمد ظریف (کراچی)

ہائے ! بھوت

اس واقعہ کو برسوں گزر گئے لیکن آج بھی یاد آتا ہے تو شرم بھی آتی ہے اور ہنسی بھی۔ آپ بھی سُنیے اور لُطف اُٹھایئے۔

تو ہوا یوں کہ اُن دنوں ہم میٹرک کے امتحان کی تیاری کر رہے تھے۔ نیو کراچی میں قیام تھا جہاں اُس وقت نئی نئی آبادی ہوئی تھی۔ وہ علاقہ اس وقت تک روشنی سے محروم تھا۔ بجلی کے کھمبے نصب کیے جاچکے تھے۔ تار کھینچے گئے تھے لیکن کنکشن نہیں ملا تھا۔ تاریکی سے فائدہ اُٹھا کر چوروں کے وارے نیارے تھے۔ ہر روز دو تین مکانوں میں چوری کی واردات ہو جاتی تھی۔

تو صاحب ! ایک رات ہم دو تین بجے تک پڑھ پڑھ کر فارغ ہوئے تو اچانک کسی کے قدموں کی چاپ سُنائی دی۔ ایسا محسوس ہوا کہ کوئی شخص سپنج کے چپل پہنے آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتا ہوا گلی میں سے گزر رہا ہے۔ ہم نے اس آواز پر کوئی خاص توجہ نہ دی۔ ظاہر ہے کہ ہم کسی کے گلی سے گزرنے پر کیا اعتراض کر سکتے تھے۔ چند ثانیوں کے بعد آواز ختم ہو گئی کچھ دیر بعد قدموں کی آواز پھر اُبھری۔ اب ایسا محسوس ہوا کہ یہ چاپ کچھ تیز ہو گئی ہے۔ ایک بار پھر یہ آواز دب گئی اور پھر بلند ہوئی۔

صاحب ! اب تو ہمارے کان کسی خرگوش کی طرح کھڑے ہو گئے۔ ذہن میں کسی چور کا تصوّر اُبھرا جو موقع کی تلاش

بی رات کی تاریکی سے فائدہ اُٹھانے آیا ہو۔
میں اِسی شش و پنج میں مبتلا گھر سے نکل کر گلی میں آیا لیکن وہاں نہ آدم نہ آدم زاد۔
لیکن آواز ٹھپ ٹھپا ٹھپ کانوں سے ٹکراتی رہی۔ الٰہی خیر۔ آخر یہ آواز کہاں سے آرہی ہے ——؟ کیا چور کسی برابر کی گلی میں ہے؟ یہی سوچتا ہوا گھر میں واپس آگیا۔
جب یہ آواز مُسلسل آتی رہی تو ڈرتے ڈرتے ابّا جان کو بیدار کیا، اور اُن سے اِس خدشہ کا اظہار کیا۔ ابّا جان نے جب غور سے یہ آوازیں سُنیں تو فکرمند ہوگئے۔ اُنھوں نے لاٹھی لے کر گلی کا ایک چکّر لگایا وہاں کوئی نہ تھا۔ میں نے ڈرتے ڈرتے اُن سے کہا۔
"ابّا جان! کہیں بھُوت نہ ہو؟"
"ہشت! پاگل کہیں کا" اُنھوں نے مجھے پیار سے ڈانٹا۔

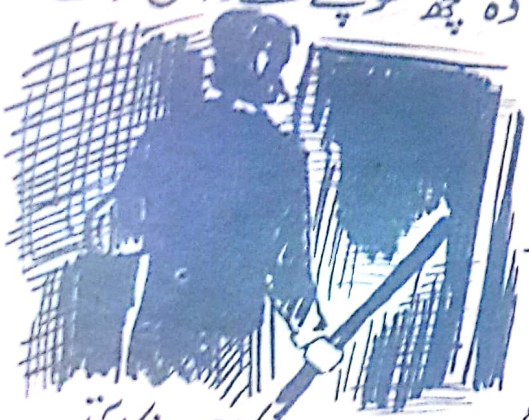

لیکن جب قدموں کی چاپ کا اُتار چڑھاؤ برقرار رہا تو وہ کچھ سوچنے لگے۔ اُس وقت تک چاند نکل آیا تھا۔ اچانک اُنھوں نے سر اُوپر اُٹھا کر دیکھا اور ایک زوردار قہقہہ لگایا۔ خدا خیر کرے —— کیا ابّا جان پر بھُوت کا اثر ہو گیا؟" میں نے سوچا۔ لیکن میرا شُبہ اُس وقت غلط ثابت ہو گیا جب ابّا جان نے میرا کان کھینچ کر کہا "نالائق! وہ دیکھ اُوپر بجلی کے تاروں کی طرف۔ اُن کے بیچ میں ایک پھٹی ہوئی پتنگ پھنسی ہوئی ہے، جب ہوا کا جھونکا آتا ہے تو پتنگ کا کاغذ تاروں سے ٹکرا کر ٹھپ ٹھپ ٹھپا ٹھپ کی آواز دینے لگتا ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے کوئی آدمی چپل پہنے چل رہا ہو۔ جب زور سے ہوا کا جھونکا آتا ہے تو آواز بھی تیزی سے نکلتی ہے، ہوا ہلکی ہوتی ہے تو قدموں کی چاپ بھی کم ہوتی جاتی ہے۔ جا سو جا، بزدل کہیں کا!" اور آہستہ سے میرے سر پر چپت رسید کرتے ہوئے اپنے کمرے میں چل دیے۔
صُبح اُنھوں نے یہ واقعہ مزے لے لے کر سب گھر والوں کو سُنایا۔ سب کا ہنستے ہنستے بُرا حال ہو گیا۔ یہ "خبر" ہمارے چھوٹے شریر بھائی کی وجہ سے جنگل کی آگ کی طرح ہمارے دوستوں میں پھیل گئی اور ہم "خیالی بھُوت" کے نام سے مشہور ہو کر

Scanned by CamScanner

کئی دنوں تک شرم کے مارے منہ چھپائے پھرتے رہے۔

ڈائری اور ہم

ناہید فاطمہ (فیصل آباد)

جمعہ کا دن تھا۔ ہم کمرے کا دروازہ بند کیے بستر میں بیٹھے تھے۔ یکایک ہم پر ڈائری لکھنے کا بھوت سوار ہو گیا۔ باجی نے بہت پہلے اپنی ایک ڈائری ناکارہ سمجھ کر ہمارے حوالے کر دی تھی۔ ہم نے ڈائری اور قلم سنبھالا اور لکھنے کے لیے کمربستہ ہو گئے۔

اب جو ہم نے عقل کے گھوڑے دوڑانے شروع کیے تو وہ دماغ کی تمام سرحدیں پار کر گئے۔ لیکن یوں محسوس ہوتا تھا ہماری عقل گھاس چرنے گئی ہوئی ہے۔ کوئی گھنٹے بھر دماغ لڑانے سے ایک بھولا بسرا واقعہ ذہن میں اُبھرا۔ ہمارے قلم نے بڑی برق رفتاری سے اُسے صفحے پر تحریر کرنا شروع کر دیا۔ ابھی ہم لکھنے میں مشغول تھے کہ دفعتاً دروازہ زور زور سے کھٹکھٹایا جانے لگا۔

ہم تلملا کر اٹھے اور دروازہ کھول کر جو دیکھا تو چھوٹے بہن بھائیوں کی منحوس صورتیں نظر آئیں۔

"جی فرمایئے!" ہم نے بے بسی کے اثرات چہرے پر ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"آپ صبح سے یوں دروازہ بند کر کے بیٹھی ہیں۔ ہم سمجھے آپ فوت ہو گئی ہیں۔" فوزیہ نے اپنے پیلے دانتوں کی نمائش کی۔

"پلیز۔ باجی۔ بتا دیں نا، آپ کیا کر رہی تھیں۔" حمیرا نے اندر داخل ہونے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"میں جو مرضی کروں۔ تمھیں اس سے کیا غرض۔ فوراً کمرے سے نو دو گیارہ ہو جاؤ۔" ہم نے غصّے سے پھنکارتے ہوئے کہا۔

مگر نقار خانے میں طوطی کی آواز کون سنتا ہے۔ ہماری احتجاج کی آواز انھوں نے ایک کان سے سنی اور دوسرے کان سے اڑا دی۔ اب انھوں نے زور جو لگانا شروع کیا تو ہم

Scanned by CamScanner

تنکے کی مانند اُڑتے ہوئے قالین پر چت جا پڑے اور اُن شتر بے مہار بہن بھائیوں کی فوج دندناتی ہوئی اندر داخل ہو گئی۔ ہم جلدی سے اُٹھے اور اپنی ڈائری پر قبضہ جمانا چاہا۔ لیکن ان ظالموں نے اس سے پہلے ہی ڈائری جھپٹ لی اور اس کا پوسٹ مارٹم کرنے میں مصروف ہو گئے۔ یہ دیکھ کر ہم سب کچھ بھول گئے اور جلدی سے اُن کی طرف لپکے۔

وہ بھی مڑے اور ہم پر حملہ آور ہوئے۔ چند ہی لمحوں میں انھوں نے ہمارا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا اور ڈائری کا ورق ورق علیحدہ کر کے کمرے سے فرار ہو گئے۔ ہم خون کے آنسو روتے ہوئے اُٹھے اور ورق اکٹھے کرنے لگے۔ اس کے بعد ہم نے ڈائری لکھنے سے توبہ کر لی ہے۔

ٹیسٹ کی تیاری

یاسر عمار (چونیاں)

میں اور آصف ہوسٹل میں رہتے تھے۔ ایک دن کلاس میں ماسٹر صاحب نے ہم سے کہا کہ بدھ کو تمھارا جغرافیے کا ٹیسٹ ہے۔ یہ سُننا تھا کہ ہمارے اوسان خطا ہو گئے لیکن ہم جلدی سنبھل گئے۔ کیونکہ ابھی چار دن باقی تھے۔

دیکھتے ہی دیکھتے چار دن گزر گئے اور ہم ٹیسٹ کی تیاری بھول گئے۔ منگل کی رات ہم ٹی وی دیکھ رہے تھے کہ آصف چلّایا: او یاسر! مارے گئے، صبح تو ٹیسٹ ہے اور ہم نے تیاری بھی نہیں کی۔

یہ سُننا تھا کہ ہم کانپ اُٹھے۔ اوہ! اب کیا ہو گا۔ خیر جلدی سے کتابیں اُٹھائیں اور پڑھنے بیٹھ گئے۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کریں اور کیا نہ کریں۔

خیر ساری رات جاگنے کا ارادہ کیا۔ ہم ساری رات جاگتے رہے اور پڑھتے رہے۔ جب صبح کے پانچ بجے تو آصف تو آنکھیں بند کر کے لیٹ گیا۔ اسے دیکھ کر میں بھی لیٹ گیا کہ ابھی اُٹھ جاؤں گا۔ جب ہماری آنکھ کھلی تو ساڑھے آٹھ بج چکے تھے۔ یہ دیکھنا تھا کہ ہم تھر تھرا اُٹھے۔

گھبراہٹ کی وجہ سے کچھ نہ سُوجھا اور اسی طرح کلاس کی طرف بھاگے۔ کلاس

کے دروازے پر جاکر ہم نے ماسٹر صاحب سے اندر جانے کی اجازت مانگی۔ ہماری حالت دیکھ کر ساری کلاس کی ہنسی چھوٹ گئی۔ آنکھیں سوجی ہوئی، بال اڑے ہوئے اور میلے کپڑے، ہم کوئی "شگوفے" لگ رہے تھے۔

ماسٹر صاحب غصّے سے چلّائے، کلاس سے نکل جاؤ کیونکہ ٹیسٹ آٹھ بجے کا شروع ہو چکا تھا۔ یہ تھی ہمارے ٹیسٹ کی تیاری۔ جب بھی ہمیں یہ واقعہ یاد آتا ہے تو مارے ہنسی اور شرم کے ہمارا بُرا حال ہو جاتا ہے۔

لالچی بادشاہ

ناہید کوثر (بیول)

قدیم وقتوں میں ایک بادشاہ حکومت کیا کرتا تھا۔ وہ بہت لالچی تھا۔ خدا کا دیا اُس کے پاس سب کچھ تھا لیکن وہ ہر وقت پیسوں کے متعلق سوچتا رہتا جو دولت ہوتی ہر وقت گنتا رہتا تھا۔ یہ بات ملکہ کو پسند نہ تھی۔ ملکہ بادشاہ کو بہت سمجھاتی کہ ہماری اولاد بھی نہیں ہے۔ ہمارے پاس اتنے بہت سے پیسے ہیں تم لالچ نہ کیا کرو۔ لالچ کا انجام بہت بُرا ہوتا ہے۔ لیکن بادشاہ پہ کوئی اثر نہ ہوتا۔ وہ غریبوں کی بھی مدد نہ کرتا تھا۔

ایک دن ایک بوڑھی عورت بادشاہ کے پاس خیرات مانگنے آئی تو بادشاہ نے اُس کو خیرات دینے کے بجائے اُسے دھکّے دے کر محل سے نکال دیا۔ وہ بوڑھی عورت بد دعائیں دیتی ہوئی چلی گئی۔

اور اب بادشاہ کا حال سُنیے، اس کے کچھ عرصہ بعد بادشاہ اپنی ملکہ کو ساتھ لے کر کہیں جا رہا تھا وہ ایک سواری پر سوار تھے۔ راستے میں حادثہ ہوا اور بادشاہ کی دونوں ٹانگیں ٹوٹ گئیں۔ کچھ مدّت کے بعد بادشاہ اتنا غریب ہو گیا کہ اس کے پاس ایک پیسہ بھی نہ رہا اور محل کی جگہ ایک چھوٹا سا مکان بھی نہ رہا۔ کھانے پینے کا کوئی سامان نہ تھا کئی کئی دن فاقے میں گزر جاتے۔ ملکہ فاقے گزار گزار کر مر گئی لیکن بادشاہ ابھی تک زندہ لالچ کی سزا پا رہا تھا۔

Scanned by CamScanner

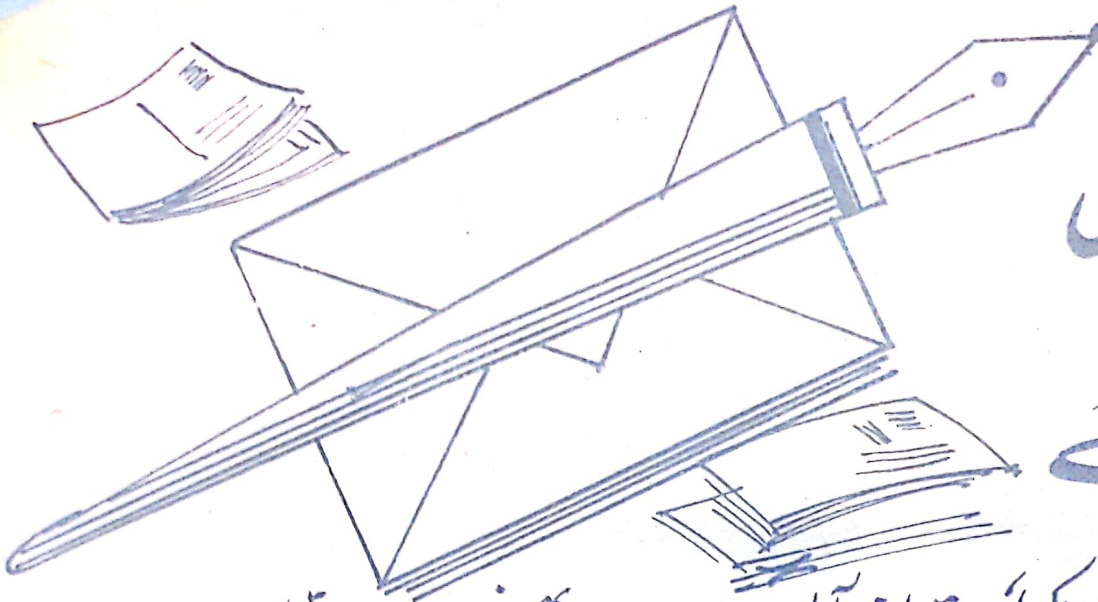

آپ کی رائے

مارچ کا شمارہ دیکھا بہت پسند آیا۔ کہانیوں میں جعلی نوٹ، کالا آدمی اور خونی سرائے بہت پسند آئیں۔ لطیفے اچھے تھے تمام نظمیں بھی اچھی تھیں۔ اللہ تعالےٰ اس رسالے کو دن دوگنی رات چوگنی ترقی دے۔

(رضوانہ کوثر۔ گوجرانوالہ)

مارچ کا مسکراتا اور پھول کلیاں بکھیرتا تعلیم و تربیت دیکھا۔ سرورق بہت دیدہ زیب ہے۔ اس دفعہ سب کہانیاں اعلیٰ پائے کی ہیں اور لطیفے پسند آئے۔ دل چسپ اور عجیب نے تو کمال کر دیا۔

(شوکت علی شاد۔ لاہور)

مارچ کا گلدستہ نما تعلیم و تربیت اپنی مثال آپ تھا۔ یوں تو سبھی کہانیاں معیاری تھیں مگر جو کہانیاں مجھے پسند آئیں ان میں ڈاکوؤں کی توبہ، جعلی نوٹ اور کالا آدمی سرفہرست ہیں۔ باقی سارا پرچہ بھی خوب صورت تھا۔

(رفاقت علی شیخ۔ لاہور)

مارچ کا سرورق بے حد دلچسپ تھا۔ تمام مضامین اپنی مثال آپ ہیں نظموں نے بے حد متاثر کیا۔ اب جلد از جلد کوئی انعامی سلسلہ شروع کر دیجیے۔ بڑی آرزو ہے۔

(عبدالرحمٰن مانی۔ جھنگ شہر)

مارچ کا رسالہ واقعی بہت چٹ پٹا تھا۔ کہانیوں میں خوابوں کی مشین، خونی سرائے، جعلی نوٹ اور کالا آدمی سب اپنی مثال آپ تھیں۔ لطیفے لذیذ تھے۔ دل چسپ اور عجیب نے معلومات میں اضافہ کیا۔

(طارق محمود بٹ۔ دینہ)

اس دفعہ کہانیوں میں خونی سرائے جعلی نوٹ اور کالا آدمی اپنی مثال آپ

Scanned by CamScanner

تھیں۔ نظموں میں رفیق احمد خاں کی نظم گھر کا شہزادہ پسند آئی۔ اُمید ہے آپ تعلیم و تربیت کو بہتر سے بہتر بنانے کی کوشش کرتے رہیں گے۔

(محمد طارق صدیق۔ میاں چنوں)

مارچ کا تعلیم و تربیت ملا۔ پڑھ کر انتہائی مسرت ہوئی۔ سرورق بہت خوب صورت تھا۔ اس دفعہ کہانیوں میں جعلی نوٹ، کالا آدمی اور خونی سرائے اچھی تھیں۔ مضمون یومِ جمہوریۂ پاکستان پڑھ کر معلومات میں اضافہ ہوا۔

(راشد قمر۔ فیصل آباد)

اس مرتبہ اتنا خوب صورت رسالہ نکالنے پر مبارک باد۔ سرورق دیکھ کر دل خوشی سے جھوم اُٹھا۔ کہانیوں میں ڈاکوؤں کی توبہ، کالا آدمی، جعلی نوٹ بہت پسند آئیں۔ لطیفے بے حد اچھے تھے۔

(ثروت یعقوب۔ لاہور)

مارچ کا تعلیم و تربیت ملا۔ کافی دل چسپ تھا۔ لطیفے اچھے تھے۔ کہانیاں معیاری تھیں۔ غرض کہ پورا رسالہ کافی دل چسپ تھا۔

(محمد علی جہانگیر۔ کراچی)

اس دفعہ کہانیوں میں خونی سرائے جعلی نوٹ، کالا آدمی اور ڈاکوؤں کی توبہ بہت اچھی تھیں۔ لطیفے بھی بہت اچھے تھے۔

(بشارت احمد۔ لاہور)

مارچ کا پیارا پیارا سا سرورق سجائے تعلیم و تربیت آج ہی ملا۔ دیکھ کر خوشی ہوئی اور پڑھ کر لطف آیا تعلیم و تربیت ایک بہترین اور وقت گزارنے کے لیے اچھا ساتھی ہے۔ روز بروز اس کا روپ نکھرتا جا رہا ہے۔ خدا کرے کہ یہ دن دگنی رات چوگنی ترقی کرے۔

(ملک مزمل مجاہد۔ لیسرور)

مارچ کا تعلیم و تربیت ملا۔ سب کہانیاں اچھی تھیں۔ خاص کر "ہمارے نبیؐ نے فرمایا" بہت ہی پسند آیا۔ کہانیوں میں جعلی نوٹ، ڈاکوؤں کی توبہ بہت پسند آئیں۔

(غلام رسول قادری۔ لاہور)

کہانیوں میں خوابوں کی مشین، خونی سرائے، جعلی نوٹ، کالا آدمی، سب اپنی مثال آپ تھیں۔ لطیفے بہت مزے دار تھے۔

(اظہر ریاض۔ لاہور)

Scanned by CamScanner

سالنامہ
آپ کی نظر میں

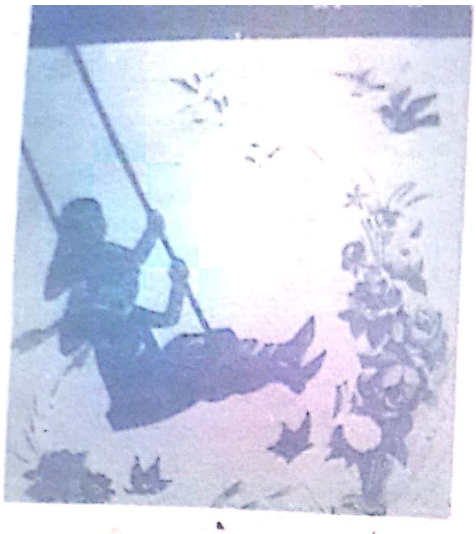

اپریل 1982ء کا سالنامہ دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔ اس بار تعلیم و تربیت کا یہ سالنامہ گزشتہ سالنامہ سے نمبر لے گیا اس سالنامہ کی تمام کہانیوں نے دل پر ایک انمٹ نقش چھوڑ دیا۔ ہر کہانی دوسری کہانی سے بڑھ کر تھی۔ مستقل سلسلوں کی عدم موجودگی بہترین اور سبق آموز کہانیوں نے پوری کر دی۔ بے شک یہ ایک یادگار اور بے مثال "کہانی نمبر" ہمیں مدتوں یاد رہے گا۔ "ہونہار ادیب" میں بھی اچھی کہانیاں پیش کی گئیں۔ ایسا بے مثال اور حسین و جمیل کہانی نمبر نکالنے پر میری طرف سے دلی مبارک قبول ہو۔

(شاہد اقبال۔ گوجرانوالہ)

اپریل کا شمارہ اس قدر پسند آیا کہ قلم اڑ کر ہاتھوں میں پہنچ گیا۔ اتنا عمدہ رسالہ شائع کرنے پر جتنی مبارک دی جائے، کم ہے۔ نظمیں، کہانیاں اور دوسری چیزیں اس قدر عمدہ تھیں کہ رسالے کو چھوڑنے کا دل نہ چاہتا تھا۔ ہماری خواہش ہے کہ ہر مہینے سالنامہ شائع ہو۔

(شاذیہ نور۔ لاہور)

اپریل کا تعلیم و تربیت پڑھا۔ سچ پوچھیے تو پڑھ کر اتنی خوشی ہوئی کہ دل جانتا ہے۔ تعلیم و تربیت کا انتظار برداشت سے باہر تھا۔ کیوں کہ اس دفعہ تعلیم و تربیت تقریباً 6 دن بعد ملا۔ کہانیوں میں نیکی کا انعام، چکر باز، خوشی کے آنسو پسند آئیں۔ جو کہ بالترتیب خالد بزمی، جمیل بٹ اور ایس غلام علی نے لکھی تھیں۔ اس کے علاوہ ہونہار ادیب میں نا اتفاقی کا انجام، بہادر لڑکا، کمرے کا بھوت ہمارا خون اور بے وفا دوست پسند

Scanned by CamScanner

انکل! میری طرف سے ایک چھوٹی سی گزارش ہے
کہ آپ اس میں بھی بعض اوقات خالد بھائی
صاحب اور [illegible] قریشی صاحب سے ایسی
اچھی کہانیاں لکھوایا کریں۔ مہربانی ہوگی۔

(سعادت علی صدیقی۔ لاہور)

تعلیم و تربیت ملا۔ تعریف کے
لیے الفاظ میسر نہیں۔

(محمد اشفاق احمد۔ سکندر آباد)

اس مرتبہ اتنا اچھا کہانی نمبر شائع
کرنے پر بہت ڈھیر ساری مبارکیں دینے
کو دل چاہتا ہے۔

(محمد عبدالخالق بھٹی۔ اللہ آباد بہاولپور)

اپریل کا سالنامہ پڑھا۔ پڑھ کر
اتنی خوشی ہوئی کہ بیان سے باہر ہے۔ اتنا
اچھا رسالہ نکالنے پر مبارک قبول کریں
تعلیم و تربیت ایک خوب صورت اور پیارا
رسالہ ہے۔ جس کا ہر مضمون خوبصورت انداز
میں پیش کیا گیا ہے۔ بچوں کے رسالوں
میں تعلیم و تربیت خوبصورت ترین رسالہ ہے۔
آخر میں ایک دفعہ پھر سالنامہ نکالنے پر
مبارک قبول فرمائیں۔

(ثروت یعقوب، لاہور)

کہانی نمبر ملا۔ جس کا سرورق اور
خود نمبر اپنا جواب آپ تھا۔ بے شک اس
میں آپ کی بہت ہی محنت شامل ہے
علاوہ ازیں تمام کہانیاں بہترین تھیں
محمد [illegible] اور [illegible] ادیب بہت
قابلِ تعریف تھے۔

(احسان سعید حیدر۔ لاہور)

سالنامہ ملا۔ تمام کہانیاں اچھی
شامل آپ تھیں۔ اتنا اچھا رسالہ نکالنے
پر بہت بہت مبارک ہو۔

(عاصم ریاض۔ لاہور)

تمام کہانیاں اچھی تھیں۔ چڑیا گھر
پر رنگین چیچر اور سنا اور سیانا اور رنگ
کا انجام بہت پسند آئی۔

(محمد اشتیاق علی۔ ملتان)

اپریل کا سالنامہ دلکش کہانیاں
لیے جلوہ افروز ہوا۔ اتنا اچھا کہانی نمبر
شائع کرنے پر مبارک باد قبول فرمائیں۔

(راشد قمر۔ فیصل آباد)

اپریل کا شمارہ بڑے انتظار کے
بعد آخرکار اپنی تمام تر رعنائیوں کے
ساتھ ملا۔ ہمیں تو یقین ہی نہ آیا کہ
اتنے بڑے بڑے ادیبوں نے ہمارے
لیے اتنی پیاری پیاری کہانیاں لکھی ہیں۔

(ریحانہ یونس۔ میرپور آزاد کشمیر)

Scanned by CamScanner

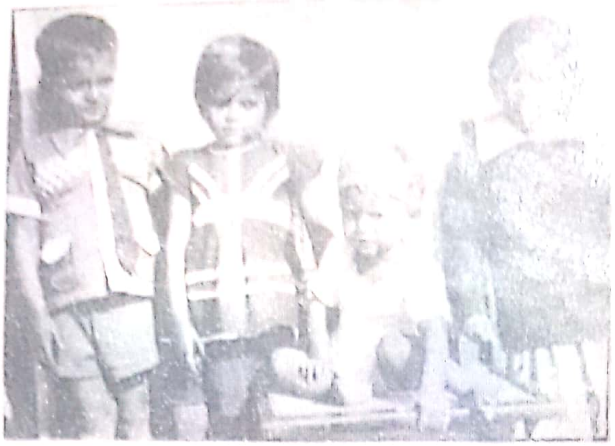

ریحانہ یاسمین، رفعت ناہید طارق منصور، طاہر محمود۔
سرگودھا

سدوش جاوید۔ لاہور

غرم شہزاد۔ لاہور

محمد عاصم۔ لاہور

محمد صدیق اعوان۔ ملتان

رانا داؤد علی۔ فیصل آباد

شیخ احمد جمال۔ لاہور

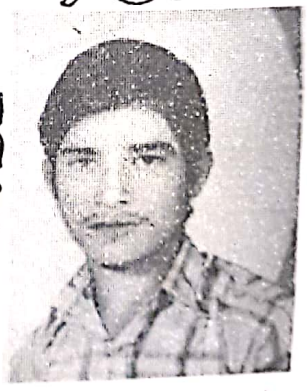

خلیل الرحمٰن۔ لاہور

حافظ محمد احمد۔ حیدرآباد

اصغر علی مغل۔ فیصل آباد

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner